لۂ دعوة الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق

اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۱

شمارہ نمبر ۹

صفر المظفر ۱۳۸۶ھ

جون ۱۹۶۶ء

سالانہ چھ روپے

فی پرچہ پچاس پیسے

غیر ممالک سالانہ ۱۶ شلنگ

طابع و ناشر: سمیع الحق (استاد دار العلوم حقانیہ)

مطبع: منظور عام پریس پشاور

مقام اشاعت: دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

(بیت دار العلوم حقانیہ)

کتابت: اصغر حسین

منظور شدہ محکمہ تعلیم سرکلر نمبر ۲۵۲۳۶/۳۴ پی یو بی این (مورخہ ۶۶/۳/۱۵)

اس شمارے میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچھلے ماہ اس ملک کے دینی اور علمی حلقوں، اسلام پسند عناصر اور جمہوریت پسند عوام کے اعتماد اور جذبات کو ان اقدامات سے شدید صدمہ پہنچا جو ملک کے کئی حصوں میں ممتاز علماء و مشائخ کی پے در پے پابندی اور نظر بندی کی شکل میں رونما ہوئے۔ خاص طور سے ڈیرہ اسمٰعیل خان وغیرہ میں جمعیۃ العلماء اسلام کے مولانا قاضی عبدالکریم صاحب (کلاچی) اور دیگر کئی زعماء کو دور افتادہ دیہات میں نظر بند اور راولپنڈی کے مشہور عالمِ دین مولانا غلام اللہ خاں صاحب کو بلا کسی نوٹس و اظہارِ وجوہ کے ضلع بدر کر کے اپنے گاؤں میں پابجولاں کرنا، اس کے علاوہ دیگر بعض مرکزی مساجد کے خطباء کو سیاسی اغراض کی بناء پر بیک جنبشِ قلم معزول کرنا ایسے واقعات ہیں جو ایک اسلامی اور جمہوری ملک کے لئے کسی طرح زیبا نہیں ہیں۔ اور نہ ان اقدامات کو منصفانہ کہا جا سکتا ہے۔ اگر ان علماء کا جرم "اصلاحِ معاشرہ" کے جذبہ سے ملک و ملت کو اخلاقی تباہی اور قومی روایات کی بربادی سے روکنا اور ان منکرات و فواحش پر سرزنش کرنا ہے، جس نے آج یورپ اور تہذیب مغرب کی ذہنی غلامی میں گرفتار ممالک کو خودکشی کے چوراہے پر لا کھڑا کیا ہے تو اس جرم پر لاکھوں دفائیں نثار کی جا سکتی ہیں۔ ملت کی حقیقی فلاح اور ملک کی سالمیت اور استحکام کی خاطر علماءِ حق کا اوّلین فریضہ ہے کہ وہ منکرات پر گرفت کرتے رہیں، اور معروف و سچائی کے راستے دکھاتے رہیں کہ یہی ان کا منصب ہے اور یہی مقام، اگر وہ کسی لمحہ بھی اس فریضۂ ناموسِ دینِ محمدیؐ کی حفاظت اور مدافعت میں سستی کر بیٹھیں اور خوف و لالچ یا کسی لومۃ لائم کی وجہ سے کلمۂ حق اور دعوۃ الی اللہ سے غفلت برتیں تو حسبِ ارشاد نبویؐ شیطان اخرس (گونگا شیطان) بن کر اس وعید کے مستحق ہوں گے کہ جس نے حق چھپایا تو اس کے منہ میں قیامت کے دن جہنم کی آگ کا لگام ڈال دیا جائے گا۔ (اُلجم بلجام من النار) وراثت نبوت کے حامل طبقہ کا اگر منبر و محراب سے بھی قوم کو اشاعتِ فاحشہ سے روکنا گناہ ہے۔ تو پھر سلطنت و حکومت کے ایوانوں سے کبھی کبھار علماء کو اصلاح معاشرہ کے لئے میدان میں آنے کی دعوت کیوں دی جاتی ہے۔؟ آخر یہ اصلاحِ معاشرہ ان کے نزدیک کس بلا کا نام ہے؟ پھر اگر واقعی ان سے کوئی ایسا ناقابلِ عفو جرم سرزد ہوتا ہے۔ جو ملک کی غداری اور بدخواہی کے مترادف

ہو، تو اس کے ثبوت کے لئے عدالت اور عدلیہ کو کیوں بروئے کار نہیں لایا جاتا ؟ کیا اس ملک میں غنڈوں اور دیگر سماج دشمن عناصر پر بھی بلا کسی فردِ جرم اور ثبوت و اثبات کے ایسے فیصلے نافذ کئے جاتے ہیں ؟ اگر ان حضرات علماء کا جرم کلمۂ حق اور اصلاح معاشرہ کے علاوہ کوئی اور ہے جس سے ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچتا ہے۔ تو اسے عدالتوں کے ذریعہ ثابت کیجئے اور پھر جو چاہیں انہیں قرار واقعی سزا دیجئے اور اگر ایسا نہیں تو پھر ملت مسلمہ کے ان حقیقی خیر خواہوں پر اعتماد کیجئے۔ اور انہیں موقعہ دیجئے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں اس ملک کی حقیقی فلاح و بہبود کا فریضہ ادا کرتے رہیں جس کے لئے وہ نہ آپ سے کوئی اجر مانگتے ہیں اور نہ داد و ستائش کے طلبگار ہیں۔

○

پچھلے سال کی طرح اس دفعہ بھی پشاور میں "جشن خیبر" کے نام سے ایک نمائش ہو رہی ہے۔ جس کا افتتاح ہمارے لائق ڈویژنل کمشنر جناب الحاج غلام سرور خاں صاحب کی خواہش پر مجلس قرات سے ہوا۔ کمشنر صاحب موصوف نے (جن کا دل ملی اور قومی جذبات سے معمور ہے) افتتاحی تقریر میں قرآن مجید کے "کتاب ہدایت" ہونے کا پرسوز الفاظ میں ذکر کیا۔ اور فرمایا کہ قرآن مجید رہتی دنیا تک انسانی فلاح اور سعادت کا ذریعہ ہے۔ جہاں تک ان پاکیزہ خیالات اور جذبے کا تعلق ہے۔ اس کی ستائش و تحسین کرتے ہوئے ہم اس شدید درد و غم کو چھپائے نہیں چھپا سکتے۔ جو ہمیں اس جشن کے پروگراموں کی تفصیلات معلوم ہونے پر ہوا جس تقریب کا افتتاح تلاوت قرآن سے کیا گیا۔ بعد میں اس کی کئی راتیں موسیقی اور رقص و سرود کے محافل کی نذر ہوئیں۔ حیا سوختہ طوائفیں اسی سٹیج پر عمائدین ملک اور ممتاز شہریوں کے سامنے آکر گاتی اور ناچتی رہیں۔ بھڑک بھڑک کر کلچر اور ثقافت کے نام کو چار چاند لگایا جاتا رہا۔ پہلوانوں کے دنگل ہوتے رہے۔ آرٹ کی نمائش جاری رہی پورے رقبہ میں سرکسوں باجوں گاجوں کا طوفان برپا رہا۔ پھر ایک ایک سٹال پر مردوں اور عورتوں کا بے تحاشا اختلاط اور بہجوم غرض عفت و عصمت کا آبگینہ ہر طرح سے چور چور ہوتا رہا۔ اور معلوم نہیں یہ سلسلہ مزید کتنے دن تک جاری رہے گا۔ اگر اس تقریب کا مقصد صرف ملک کی صنعتی ترقیات کی نمائش اور قومی روایات کا ابھارنا ہوتا تو اس کی افادیت میں کسے کلام ہو سکتا تھا ؟ جب اس جشن کا ہیولیٰ ان عناصر سے تیار کیا گیا تھا تو کاش اس کا افتتاح بھی قرآن مجید سے نہ کیا جاتا۔ جب تک قرآن مجید ہمارے عمل و کردار کے ایوانوں سے خارج ہے۔ اور ہمارے دلوں کی دنیا اس کی روشنی سے معمور نہیں

اس وقت تک قرآن مجید کا یوں بطور فیشن استعمال دعوتِ ربانی اور حجتِ الٰہی کے اتمام کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور اتمام حجت کے بعد ایسی فرو گذاشتیں قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیتی ہیں۔ کاش! اس صحیفۂ ہدایت کو ہم واقعی معنوں میں اپنی زندگی کے لئے ضابطۂ عمل اور مینارۂ ہدایت بنا سکیں۔

○

کتنی رشک آفرین تھی وہ پاکیزہ زندگی جو پاکستان کے ایک گمنام فرزند حضرت مولانا شبیر محمد صاحب سندھی مہاجر مدنی نے مدنی آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجاورت کے شوق میں مدینہ طیبہ کے ایک گوشۂ خلوت میں بسر کی انہوں نے اپنے وطن سندھ کو خیر باد کہا۔ تمام خویش واقارب متوسلین اور وابستگان کی ایک جماعت سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ طیبہ کی غریبانہ سکونت کو ترجیح دی، تقریباً سترہ سال وہاں رہے اور بالآخر ۸۰ برس کی عمر میں ۱۶ رذی الحجہ ۱۳۸۵ھ کو اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ اور جگہ بھی اپنے محبوب مدنی کی آغوشِ اظہار کے قدموں میں پائی۔ انہوں نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا تھانوی حضرت مولانا تاج محمود امروٹی (رحمہم اللہ) جیسے اکابر سے تربیت وفیض حاصل کیا اس دور میں جیسا کہ معاصر علماء کا اعتراف ہے، بلاشبہ وہ مناسکِ حج کے امام تھے۔ حضرت الامام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مختصر رسالہ "زبدۃ المناسک" کو انہوں نے برسوں کی محنت اور تحقیق سے ایک ضخیم کتاب کی شکل دی آخر عمر تک حج و زیارت کے مناسک ومسائل کی تحقیق اور تنقیح ان کا محبوب مشغلہ رہا۔ دو سال قبل راقم کو قیام مدینہ کے دوران ان کی زیارت کی سعادت بارہا حاصل ہوئی (جبکہ وہ بابِ بصری میں مدرسۃ الشرعیۃ کے دارالاقامہ کے کنج عزلت میں مقیم تھے اور اس ضعف پیرانہ سالی میں تمام حوائج ضروریہ خود انجام دیتے) جب بھی انکی خدمت میں حاضری کا موقعہ ملا زبدۃ المناسک کے تعلیقات حواشی اور حک واضافہ میں انہیں مصروف پایا۔ صحن میں ایک پھٹی چٹائی پر بیٹھے اور ارد گرد انہی مسائل و احکام کے مسودات بکھرے ہوتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ "اس بارہ میں میری مثال اس بڑھیا کی مانند ہے جو ذرا بھی فرصت پاتی تو چرخہ کاتنے بیٹھ جاتی"۔ باایں ہمہ علم وفضل اور زہد و مشیخت اس فنا فی اللہ کی سادگی وارفتگی اور عجز و انکسار کا یہ عالم تھا کہ انہیں دیکھ کر یہ گمان بھی نہ ہو سکتا کہ یہ گدڑی پوش فقیر ایک برگزیدہ عارف باللہ اور اپنے وقت کے مناسکِ حج کا امام ہے۔ کیا اچھا ہو اگر ان کے اخلاف اور متوسلین میں سے کوئی صاحب ان کی سوانح اور مقامات رفیعہ کو قلمبند فرما کر یہاں کے دینی طبقوں کو "زبدۃ المناسک" کے اس جلیل القدر شارح کے احوال سے روشناس کرا سکے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ ونور اللہ ضریحہٗ بانوارہ۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

مناجات

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ

ترجمہ: شیخ وقت مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہٗ

حضرت حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہٗ نے اپنی تشریف آوری کے موقع پر حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ علیہ الرحمۃ کی یہ مناجات لکھوائی جسے حضرت شیخ ابن عربیؒ نے بیت اللہ الحرام کے سامنے کھڑے ہو کر والہانہ انداز میں موزوں فرمایا۔ حضرت حافظ الحدیث نے قارئین الحق کی خاطر اس کا ترجمہ بھی اپنے مبارک الفاظ میں لکھوایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ نماز فجر اور مغرب کے بعد آیت ذیل سمیت سات مرتبہ ان اشعار کے پڑھنے سے اطمینان قلب کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ (ادارہ)

اَمَّنْ یُجِیبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْءَ

بھلا کون ہے جو بیقرار کی دعا قبول کرتا ہے۔ اور برائی کو دور کرتا ہے۔

یَا مَنْ یُجِیبُ دُعَاءَ الْمُضْطَرِّ فِی الظُّلَمِ — یَا کَاشِفَ الضُّرِّ وَالْبَلْوٰی مَعَ السَّقَمِ

اے وہ ذات جو پریشان حال کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ اندھیروں میں۔ اے نقصانوں کے دفع کرنے والے، مصیبتوں کو دور کرنے والے ساتھ بیماریوں کے۔

قَدْ نَامَ وَفْدُكَ حَوْلَ الْبَیْتِ وَانْتَبَھُوْا — وَعَیْنُ جُوْدِكَ یَا مَوْلَایَ لَمْ تَنَمِ

مولا تیری جماعت بیت اللہ کے اردگرد سوئی ہوئی ہے۔ اور کچھ بندے بیدار بھی ہیں۔ آپ کی سخاوت کی آنکھ اے مولا کبھی سوتی نہیں۔

ھَبْ لِیْ بِجُوْدِكَ فَضْلَ الْعَفْوِ عَنْ زَلَلٍ — یَا مَنْ اِلَیْہِ رَجَاءُ الْخَلْقِ فِی الْحَرَمِ

عطا فرما واسطے میرے سخاوت کے ساتھ فضیلت عفو کی میری غلطیوں سے۔ اے وہ ذات جس کی طرف تمام مخلوقات کی امیدیں وابستہ ہیں حرم میں۔

اِنْ کَانَ عَفْوُكَ لَا یَرْجُوْہُ ذُوْ خَطَاٍ — فَمَنْ یَجُوْدُ عَلَی الْعَاصِیْنَ بِالنِّعَمِ

اگر گنہگار آدمی آپ کی عفو کی امید نہیں رکھ سکتے۔ پھر کون گنہگاروں پر سخاوت کرے گا نعمتوں کے ساتھ۔

ادارۂ اسلامی تحقیقات یا اسلام کی قربان گاہ؟

علماء حق اور مسلمانانِ پاکستان کے لئے لمحۂ فکریہ

اسلامی مشاورتی کونسل کے رکن رکین اور اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے تازہ ارشادات آپ نے پڑھے ہوں گے جو ۲۱ رمئی کے اخبارات میں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئے۔ اچھا ہوا کہ وہ اب مزید کھل کر سامنے آئے۔

لمثل ھذا یذوب القلب من کمد ان کان فی القلب ایمان واسلام

پورا بیان پڑھئے اور اسلام بیچارے کی غربت پر جی بھر کر ماتم کیجئے۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ حاملین علوم نبوت اور اسلامیانِ پاکستان کے دل پگھل جائیں۔ جگر شق ہوں۔ اور اسلام کی حفاظت کی فکر سے ہماری سکھ اور چین کی نیند اڑ جائے۔ بیان کا متن یہ ہے:

کراچی۔ ۱۹ رمئی۔ ۲۱ رمئی کو اسلامی مشاورتی کونسل کے ہونے والے اجلاس بحث کے لئے یہ تجویز پیش کی جائیگی کہ ترقیاتی سرگرمیوں کے اخراجات پورے کرنے کیلئے زکوٰۃ کی شرح بڑھا کر اسے ترقی یافتہ صورت میں عائد کیا جائے۔ اسلامی تحقیقات اکاڈمی کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب جو مشاورتی کونسل کے ممبر بھی ہیں، نے ایک انٹرویو میں کہا کہ زکوٰۃ ہی ایک ٹیکس ہے۔ جو قرآن حکیم مسلمانوں پر سرکاری طور پر عائد کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شروع میں مملکت کی مختلف ضروریات پوری کرنے کے لئے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ زکوٰۃ کی رقم مسلمانوں کی سماجی اور ثقافتی بہبود کے لئے ہی نہیں بلکہ ملک کے دفاع اور دوسری ضروریات کے لئے بھی ہے۔ زکوٰۃ کی معمولی شرح بے سود ہے۔ اس لئے اس میں اضافہ ہونا چاہئے۔ اور چونکہ زکوٰۃ کے سوا اور کوئی ٹیکس لگانے کی قرآن اجازت نہیں دیتا اس لئے زکوٰۃ کی شرح میں ہی اضافہ کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ایجنڈے کا دوسرا نکتہ ترقیاتی کاموں کے لئے سرمائے پر سود وصول کرنے کا ہے۔ اسلام نے سود سے منع کیا ہے۔ منافع سے نہیں۔ سو فیصدی منافع لینا سود کے زمرے میں آتا ہے۔

مذہبی رہنماؤں نے جدید تقاضوں کے تحت اسلام کی صحیح ترجمانی نہیں کی ۔ ضرورت اس امر کی ہے ۔ کہ دنیا کی اقوام میں سر بلند ہونے کے لئے دقیانوسی نظریات میں تبدیلیاں کی جائیں ۔"

غور فرمائیں کہ ڈاکٹر صاحب ایک ہی سانس میں کتنی باتیں فرما گئے ۔ زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ اور سود کا منافع ہو کر حرام نہ ہونا اور قرآن وسنت کے بارہ دقیانوسی نظریات کی پھبتی اڑانا اور مذہبی رہنماؤں کو اسلام کی صحیح ترجمانی نہ کرنے کا ذمہ دار گردانتا ۔۔۔

جناب ڈاکٹر صاحب ! آپ کے ارشادات پر عمل کر کے اسلام کی حیثیت اس روایتی بڑھیا کی نہ ہو جائے گی ؟ جس نے اپنی جہالت کے باعث باز کی منقار (چونچ) کاٹ لی کہ یہ ٹیڑھی ہے ۔ ناخن کو مشق مقراض بنایا کہ بڑھ گئے ہیں ۔ پروں کو کتر لیا کہ زائد از ضرورت ہیں ۔ غرض باز بیچارے کو چڑیا سے زیادہ قابلِ رحم بنایا ۔۔۔

جناب ڈاکٹر صاحب ! ٹھیک ہے کہ مذہبی رہنماؤں نے جدید تقاضوں کے تحت اسلام کی صحیح ترجمانی نہیں کی کیونکہ نہ انہوں نے سود کو حلال کہا اور نہ نمازوں کی تعداد گھٹائی نہ زکوٰۃ کی شرح بڑھائی ۔ نہ قربانی کی شکل بدلی ۔ اس ماڈرن اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کیا تو اس صدی کے ان جدید اور قابلِ فخر مفکر نے جس نے ارکانِ اسلام کا حلیہ بگاڑا ۔ اور یا ان مانعین زکوٰۃ نے جن کی سرکوبی خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی کے ہاتھوں ہوئی ۔ ہم ڈاکٹر صاحب جیسے انسان سے مزید کچھ عرض کرنا نہیں چاہتے ۔ بلکہ ہمارا روئے سخن ان علماء حضرات کی جانب ہے کہ کیا دینِ حق پر اس سے زیادہ نازک وقت بھی آئے گا ۔ ؟ ایسے حضرات کی ہفوات کے بعد بھی ہم خوابِ غفلت میں سوئے رہیں گے ؟ کہاں ہیں پیرانِ عظام جو بسم اللہ کے گنبد میں پڑے ہیں ۔ ؟ کہاں ہیں وہ قوم کے رہنما جو پاکستان کا مطلب لا الٰہ الا اللہ بتاتے تھے ۔ اگر اب بھی ہماری غفلت کیشی اور تساہل پسندی میں کمی نہ آئی تو نہ آنے والی نسلوں کے کفر و الحاد کے وبال سے محفوظ رہ سکیں گے ۔ اور نہ روزِ حشر کی باز پرس سے ۔ ؎

امروز کہ یاراں شدہ رسوا سرِ بازار
صد حیف کہ ما جامۂ ناموس بپوشیم

از افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

(ضبط و ترتیب ادارہ الحق)

روحانی اور جسمانی مضرتوں کا شرعی علاج

۲۱ر مئی بروز منگل مسجد دولت خیل تنگی تحصیل چارسدہ میں درس و ترجمہ قرآن کی اختتامی تقریب میں حضرت شیخ الحدیث صاحب نے آخری دو سورتوں کا درس دیا جسے اس وقت بعض حضرات نے نوٹ کر لیا۔ الحق میں پیش خدمت قارئین ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــ (سورۃ فلق اور سورۃ والناس کی تلاوت کے بعد فرمایا) بحمداللہ آپ حضرات نے کتاب اللہ کو پڑھا، قرآن کریم جو تخم ایمان اور دلوں کی روح ہے، اس سے حقیقی اور پاکیزہ زندگی نصیب ہوتی ہے۔ اس نعمت عظمیٰ کی حفاظت کے لئے خداوند کریم نے قرآن مجید کے آخر میں یہ دو سورتیں نازل فرمائیں۔ یاد رکھیں تکلیفیں اور مضرتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ۱۔ جسمانی ۲۔ روحانی ــــ جسمانی تکالیف انسان کو ہزاروں طریقوں سے پہنچتی ہیں۔ درندوں سے بہائم سے زہریلے نباتات اور سانپ، بچھو وغیرہ سے اسی طرح انسانوں میں دشمنوں سے اور کافروں سے تکالیف پہنچا کرتی ہیں۔ اگر ان تمام مضر اشیاء کی ایذا رسانی سے جسم محفوظ ہو تو عبادت کی جا سکے گی، جہاد میں اسے خرچ کیا جا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور سنت کی پیروی اس سے کرائی جا سکے گی۔ غرض جسمانی اذیت کی وجہ سے انسان کئی اعمال خیر سے محروم ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پہلی سورت فلق (جو معوذتین میں پہلا ہے۔) میں جسمانی مضرتوں سے بچاؤ اور اس کے علاج کا طریقہ بتلا دیا۔

ابلیس مومن کی روح کا دشمن ہے

دوسری قسم تکالیف روحانی ہیں جو ابلیس اور اس کے لشکر کے ذریعہ انسان اور خاص کر مسلمان کو پہنچتی ہیں۔ شیطان ہر مسلمان اور قرآن کی تلاوت کرنے والے شخص کا بدترین دشمن ہے بعض دشمن سامنے اگر حملہ کرتے ہیں، مال چھینتے ہیں۔ بعض لباس کے لینے والے ہوتے ہیں، بعض ہاتھ پاؤں زخمی

کرتے ہیں۔ یہ بھی طریقہ اذیت دینے کا ہے۔ اور بعض جسم کو قتل وقتال کے ذریعہ ختم کر دیتے ہیں۔ جو پہلے سے بدتر دشمن ہے۔ اگر مال ولباس نہ ہو بدن باقی ہو تو ہم زندہ رہ سکتے ہیں۔ اگر بدن زندہ نہ ہو تو مال اور لباس بے کار ہے۔ بدن ہو تو اس سے فائدہ لیا جائے گا ورنہ نہیں۔ تو لباس بغیر جسم کے بے کار ہے۔ اور جسم بغیر روح کے بے فائدہ ہے۔ پس جسم کا دشمن توابع کے دشمن سے زیادہ مضر ہوا۔ جسم کا قتل کرنے والا بھی اتنی اذیت نہیں دے سکتا، جتنا ایمان اور قرآن کا دشمن نقصان دیتا ہے۔ ایک شخص کافر کے ہاتھ یا ظالم کے ہاتھ قتل ہوا۔ بظاہر اس کا جسم روح سے تو جدا ہوا۔ مگر اس کی روح زندہ ہے۔ اسے شہادت کا مقام مل جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے شہید کی روح بدن سے جدا ہوتے ہی حوروں کی گود میں چلی جاتی ہے۔ عذاب قبر اور قبر کی ہولناکی سے بے غم ہو کر جنت پہنچتی ہے۔ دیگر مومنین کے ارواح علیین میں ہوتے ہیں۔ جہاں انہیں جنت کی روح اور ریح پہنچتی رہتی ہے۔ مگر شہید کی روح جنت میں سبز پرندوں کی پوٹلیوں میں پہنچ جاتی ہے۔ تو یہ قتل وہلاکت جسم کے لئے بظاہر تکلیف ہے۔ مگر یہی چیز درحقیقت ترقی اور بقائے دائمی کا زینہ بنی اور ابلیس ایمان کا دشمن ہے۔ اور ایمان روح الروح (روح کی روح) ہے۔ اور جب ایمان چھن جائے تو روح مردہ ہو جاتی ہے۔ جسم کی زندگی روح سے ہے۔ مگر روح کی زندگی ایمان اور طاعت سے ہے۔ اور ایمان پر حملہ ابلیس دلوں میں وسوسے اور شبہات ڈال کر کرتا ہے۔ تاکہ روح کی زندگی ختم ہو جائے۔ تو کفار جسم کی زندگی کو ختم کرتے ہیں۔ جو منتج بقاء ہو جاتا ہے۔ اور شیطان روح کی زندگی ختم کرتا ہے۔ جو مثمر ہلاکت ہے۔ روح الروح قرآن اور ایمان ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

یایہا الذین امنوا استجیبوا للہ والرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔ (پ ۹ سورہ انفال ع ۱۶)	اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔

تو اصل زندگی روح کی ہے۔ جس کا مدار قرآن وحدیث اور اسلام وایمان پر ہے۔ پس جس روح اور قلب میں ایمان ہے۔ وہ زندہ ہے۔ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً۔ (تو اسکو ہم زندگی دیں گے ایک اچھی زندگی۔ پارہ ۱۴ سورہ نحل ع ۱۸) دنیا میں قبر میں اور آخرت میں زندہ ہی زندہ ہے۔ مگر جب روح کی روح نہ ہو تو اُمّہٗ ھاویۃ وما ادرٰک ماھیہ نارٌ حامیۃ میں گر جاتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ اور دنیا میں اس کی زندگی تنگ ہوتی ہے۔

من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ	اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو

ضَنکًا وَّنحشُرُہٗ یومَ القیامۃِ اَعمٰی.	ملی ہے۔ گذران تنگی کی اور لائیں گے ہم اس
(پ ۱۶ سورہ طٰہٰ ع ۱۵)	کو قیامت کے دن اندھا۔

جس مرد و عورت کی روح و قلب میں ایمان نہیں قرآن کی روشنی نہیں وہ بظاہر زندہ مگر دراصل مردہ اور ابدی ہلاکت اور جہنم کا مستحق ہے۔ جو چیز دنیا سے ساتھ جانے والی ہے۔ وہ روح ہے۔ اور جو دشمن اسکو مارتا ہے۔ وہ بہت بڑی تباہی اور بربادی کا باعث بنتا ہے۔ روح کو تباہ کرنے والا اور اس سے ایمان چھیننے والا ابلیس ہے۔ اور شیطان روح سے ایمان نکالتا ہے۔ تو وساوس اور شبہات کے ذریعہ سے دلوں میں ڈال کر ایمان اور یقین محکم کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔ ایمان عبارت ہے یقین محکم سے مثلاً اس وقت اگر دو ہزار افراد بھی دلائل پیش کریں کہ وقت عصر نہیں یا یہ مقام تنگی نہیں۔ تو آپ اسے بکواس سمجھیں گے۔ اور تمہارا یقین یہ ہوگا۔ کہ اب عصر کا وقت ہے۔ اور یہ شہر تنگی ہے یہ پختہ اور غیر متزلزل یقین ہے۔ جسے ایمان کہتے ہیں۔

دین کے بارہ میں ابلیس کی وساوس اندازی

شیطان اس ایمان بالقرآن کو جو روح کی حیات ہے شبہات اور وساوس کے ذریعہ دلوں سے فنا کرتا ہے۔ وساوس ڈالنے کے مختلف شکل ہیں۔ کبھی دین کے مسائل اور مبادی کے بارہ میں یہ حربہ استعمال کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ فلاں حکم اور مسئلہ قرآن یہ مولویوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ مثلاً شیطان نے دل میں ڈال دیا۔ کہ قرآن سے ڈاڑھی کا ثبوت کہاں ہے؟ اور جب بظاہر نہ ملا تو کہا کہ یہ تو مولویوں کی اختراع ہے۔ وہ شخص یہ سمجھتا ہے۔ کہ میں تو اسلام کا پورا پابند ہوں۔ مگر جب قرآن میں یہ مسئلہ نہیں تو کیوں پابندی کروں۔ اسطرح ایمان کے ساتھ شبہات جمع ہوئے۔ اور جب ذرا بھی شک ہو تو ایمان ختم۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس بناء پر فرمایا کہ: الایمانُ لایزیدُ ولاینقصُ کہ ایمان نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے۔ غرض آج بھی شیطان کا انسانی لشکر اور ذریت یہی طریقے استعمال کرتی ہے۔

دین میں شبہات پیدا کرنے والے بعض آدم رُو ابلیس

جب قرآن کے علاوہ حدیث پیش کر دو تو وساوس پیدا کرتے ہیں۔ کہ حدیث کس طرح ثابت ہوئی یہ تو عجمی سازش ہے۔ گویا شیطان ان کے ذریعہ انکار کا راستہ نکلواتا ہے۔ یا پھر تاویلات کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ کہ اس حکم کا قرآن و حدیث میں موجود ہونا تو صحیح ہے۔ مگر اب اس زمانہ میں وہ ضرورت نہیں رہی جسکی وجہ سے یہ حکم لازم کیا گیا تھا۔ مثلاً نماز تو غیر مہذب

لوگوں کو صفائی اور پاکیزگی کے لئے مقرر کی گئی اب لوگ صفائی پسند ہیں۔ زکوٰۃ بخل وکنجوسی کی عادت چھڑانے کے لئے اب لوگوں میں بخل نہیں رہا۔ حج بین الاقوامی کانفرنس کے لئے ہے۔ اب دیگر مقامات پر بڑی بڑی کانفرنس ہو سکتی ہیں۔ اور اس کی علت وغایت دوسری جگہ بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ تو ان خاص طریقوں کی کیا ضرورت؟ قرآن میں ہے کہ وحرّم الربٰو (اللہ نے سود حرام ٹھہرادیا) تو وساوس پیدا کئے جاتے ہیں کہ ربوٰا سے مراد مروجہ سود نہیں ہے۔ بنکوں کو یہ حرمت شامل نہیں۔ اقیموا الصلوٰۃ کو تو مانتے ہیں۔ مگر یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ اس سے پانچ نماز مراد ہیں۔ غرض یہ سب شیطانی وساوس ہیں جو انسانوں کے ذریعہ بھی پیدا کی جارہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو علیم وحکیم ہیں۔ من الجنۃ والناس کہہ کر دونوں سے بندوں کو پناہ مانگنے کی تلقین کی آج لاکھوں روپے ریسرچ کے نام سے اسلامی مسائل ومبادی کی تحقیق کے نام پر خرچ کئے جارہے ہیں۔ جن تو خفیہ وار کرتے ہیں۔ مگر ان انسانوں کے ذریعہ جو حکومت کی سرپرستی اور گرانٹ سے یہ کام جاری ہے۔ اس ارشاد خداوندی والناس میں داخل ہیں۔

دین میں تحریف

قرآن کریم کے الفاظ کو مان کر ان کے متفقہ معانی سے انکار بعینہٖ الفاظ سے انکار ہے۔ علل اور غایات کو ابدی مان کر مسائل واحکام کی تبدیلی کرنا تحریف اور قرآن ہی سے انکار ہے۔ تاویل بھی وہی صحیح ہو گی جس کی الفاظ سے مناسبت ہو مثلاً ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ پانی لے آؤ وہ کوزہ بھر کر لایا مگر اس کے سر پر دے مارا اور کہنے لگا کہ تم نے پانی لانے کا کہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ سر سے پاؤں تک پانی پی لو اور بھیگ جاؤ۔ تو ہر شخص اس کی اس تاویل کو غلط کہے گا۔ آج قرآن وحدیث کے ساتھ یہی استہزا اور تمسخر ہو رہا ہے۔ اور لوگوں کو اتنی جراءت ہو گئی ہے کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث کا صحیح مطلب وہی ہے۔ جو ان کی سمجھ میں آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال تو نعوذ باللہ صرف ڈاکیہ کی طرح تھی کہ قرآن ہم تک پہنچایا جو خدا کا خط ہے۔ اور اس خط کے مطالب کے ساتھ اسے کوئی غرض نہیں، اب مسلمان جانتے اور اس کا مطلب۔ اس شیطان وانس نے لوگوں کے اذہان میں یہ بیٹھایا کہ رسول تو ڈاکیہ ہے نعوذ باللہ اور تم ماشاءاللہ اتنے بڑے کہ خدا تمہارے نام خط بھیجتا ہے۔ حالانکہ عقائد وعبادات، اخلاق وکردار تہذیب وتمدن۔ ہمدردی اور شرافت ان سب چیزوں کی وضاحت اور بیان حضورؐ ہی کے ذمہ ہے۔ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ (پارہ ۴) (اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر، جو بھیجا ان میں رسول۔ انہی میں کا پڑھتا ہے ان پر آیتیں اسکی اور پاک کرتا ہے ان کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی بات۔) رسول کی

شان تو یہ ہے کہ وہ اللہ کا خلیفہ ہے۔ آدم علیہ السلام جو نبی اوّل ہیں کے متعلق فرمایا: انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ تو رسول ڈاکیہ نہیں، خدا کا نائب ہے۔ سید الرسل کی شان خلافت کی ہے۔ اور وہ بھی سید الخلفاء کی۔ قرآن کے مطالب کو الفاظ سے جدا نہیں کیا جا سکتا قرآن کے الفاظ بھی توقیفی ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اِلیٰ یومنا ثابت ہے۔ خدا تعالیٰ نے مستقل عملہ حفاظ اور قراء اس کی حفاظت پر لگایا ہے۔ یہ تلاوتِ آیات بھی حضورؐ کا فریضہ تھا۔ آج اسی طرح اس کی تلاوت کی جائے گی مثلاً موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو اردو اور فارسی کے تلفظ میں موسے اور عیسے نہیں پڑھا جا سکتا۔ تلاوتِ آیات جو حضورؐ کا پہلا فریضہ تھا، اس کا نتیجہ ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے ایک لطیفہ لکھا ہے۔ کہ ریل کے فسٹ کلاس میں کہیں جا رہے تھے۔ اسی ڈبہ میں ایک اپ ٹو ڈیٹ بھی تھے جو ایم، اے وغیرہ تھے۔ اس نے حضرت تھانویؒ سے قرآن مجید لیکر پڑھنی چاہی، وہاں اتفاق سے الٓرٰ نکل آیا، اب جب وہ پڑھنے لگا تو بجائے الٓرٰ کے آلو پڑھا۔ غرض تلفظ آیات بھی توقیفی ہے نہ الر پڑھو گے نہ آلو۔

تلاوتِ آیات کے بعد دوسرا فریضہ حضورؐ کا تزکیۂ نفوس ہے۔ ویزکیھم دل پاک ہو گا۔ تو اچھے اخلاق پیدا ہوں گے، اخلاق پیدا ہوئے تو اچھے اعمال بھی صادر ہوں گے۔ اور اتنی تبدیلی آئے گی کہ تاریخ اس کا نمونہ پیش نہ کر سکے گی۔ جنگ یرموک میں حضرت ابو حذیفہؓ کے بھائی زخمی ہوئے بھائی کے لئے پانی لایا ساتھ پڑے ہوئے دوسرے زخمی نے العطش العطش (پیاس لگی ہے) پکارا جان بلب زخمی نے خود پینے سے انکار کر دیا اور کہا پہلے ان کو دو، وہاں پہنچے تو تیسرے زخمی کی صدا آئی تو دوسرے نے بھی ایثار کرتے ہوئے خود پینے سے انکار کر دیا۔ جب وہاں پانی لے کر پہنچے تو ان کا انتقال ہوا تھا۔ اسی طرح دوسرے کو آئے تیسرے کو پانی پیش کر دیا مگر سب اپنے مولیٰ سے جا ملے تھے۔ کیا اس کی نظیر تاریخ پیش کر سکتی ہے۔ یہ حضورؐ کے تزکیہ امت کی مثال ہے۔ ان کی مجلسِ مبارکہ صحبت اور تعلیم کی یہ تاثیر ہے۔ لوگوں سے شرک اور خود غرضی نکل گئی اور ہمدردیٔ خلق ایثار اور مخلوق کی وقعت اور ادائے حقوق کا احساس پیدا ہوا۔ ویعلمھم الکتاب حضورؐ کا تیسرا فریضہ تعلیم کتاب ہے۔ ہر مسئلہ اور حکم کے اسرار و حکم اور رموز و آداب بتلائے۔ مگر اب شیطان ان سب چیزوں سے امت کو الگ کرنا چاہتا ہے۔ خواہ الفاظ قرآن ہوں یا احکام یا تعلیمات کتاب و سنت یہ تحریک بھی منظم طریقے سے شروع ہے کہ قرآن کی تلاوت اور مطالعہ اردو ہی میں ہونا چاہئے۔ اللہ اکبر کہنے کی کیا بات ہے۔ خدا بزرگ ہے۔ کافی ہے اور مقصد اس تحریک کا یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ اور آیات سے لوگوں کا تعلق کٹ جائے۔ اور خدا نخواستہ اس کا حال بھی دیگر

کتبِ سماویہ انجیل، تورات وغیرہ کی طرح ہو۔ حالانکہ اس چیز نے ان کتابوں کا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔ خود عیسائی علماء کو اعتراف ہے کہ ۳۵ ہزار جگہ انجیل میں تحریف کی گئی ہے۔ سینکڑوں نسخوں کو میز پہ رکھ کر اسے ہلایا گیا اور جو چار نسخے گرنے سے بچ گئے انہیں چار انجیلوں کی صورت میں باقی رکھا گیا۔ جس کتاب کا انتخاب قرعہ اندازی سے ہو اس کی صحت اور اعتماد کا کیا حال ہوگا۔ جب ان کتابوں کا اصل نسخہ موجود نہ رہا تو جس کے جی میں جو کچھ آیا تمام خواہشات اور شہوات کو اس کی طرف منسوب کر دیا۔ ادھر قرآن مجید کا یہ عالم ہے۔ کہ کافی عرصہ قبل اعداد و شمار کے مطابق اس کی آیات اور الفاظ کے ۱۴ لاکھ حافظ دنیا میں موجود تھے۔ امید ہے اب تو یہ تعداد اور بھی بڑھ گئی ہے۔ جب تک قرآن کے الفاظ اور عبارت محفوظ رہے گی غلط تاویلات اور غلط ترجموں اور تحریف کی نشاندہی کی جا سکے گی۔ اور تحریف سے قرآن پاک محفوظ رہے گا۔

تزکیۂ نفس اور قرآن پر عمل کے خلاف شیطان کی کوششیں

اسی طرح قرآن پر عمل نہ کرنے کے کئی طریقے

شیطان اور اس کی ذریت استعمال کرتی ہے۔ مثلاً یہ کہ سود اور حرام اگر چھوڑ دیں تو آمدنی ختم ہو جائے گی، کھاؤ گے کہاں سے اجائیداد کہاں سے خریدو گے۔ ظلم نہ کرو گے تو زندگی تکلیف سے گذرے گی وغیرہ۔ یہ تزکیہ نفس کے خلاف شیطان کی کوشش ہے۔ اسی طرح قرآن کے مطالب و معانی یعنی تعلیم کتاب سے محرومی کیلئے شیطان ساعی رہتا ہے۔ ان سب وساوس اور کوششوں کا نتیجہ روح کی موت ہے۔ کہ جب روح کا روح فنا ہو جائے تو یہی روح تباہی اور ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔ اور جب روح مرا اور جسم مر گیا تو پھر آپ کے لئے خارج میں تمام کائنات کا وجود بیکار ہوگا۔ صحابہ کرام جہاد میں بہت قلیل ہو کر بھی فتوحات حاصل کرتے۔ امام غزالیؒ نے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ جب اسلحہ صحیح طور پر استعمال ہو تو کامیابی ہوتی ہے اور یہ تب ہوتا ہے کہ ہاتھ پاؤں میں قوت ہو اور طاقت تب آتی ہے کہ روح زندہ ہو ان کی روح زندہ تھی تو اعضاء مضبوط اور طاقتور تھے اور فتح بھی ہر جگہ نصیب ہوئی۔ منافق کا روح کھوکھلا ہوتا ہے۔ اس کا روح متذبذب اور ایمان سے مطمئن نہیں ہے۔ مقصد کے بارہ میں اسے شک و تردد ہوتا ہے۔ تو دشمن کا مقابلہ کس طرح کر سکے گا۔ غرض قرآن مجید کے آخر میں ان دو سورتوں کے ذریعہ شیطان کے ان تمام ہتھکنڈوں سے بچاؤ کی صورت بتلائی گئی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے مطالب پڑھنے کی توفیق دی تو اب اس کی برکات کی حفاظت ان دو سورتوں کے ذریعہ ہو سکے گی

خدمتِ قرآن کا مقام

یہ جو آپ کو خدا نے قرآن مجید کی تلاوت اور درس پڑھنے کا موقعہ دیا۔ تو یہ اس کا بہت ہی بڑا فضل و احسان ہے جہاں قرآن کی تعلیم ہو تو وہاں سے روشنی اٹھ کر عرش تک پہنچتی ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی علیہ الرحمۃ نے تیس سال تک قرآن مجید کا درس دیا اور ایک ہی جگہ بیٹھ کر ترجمۂ قرآن مکمل فرمایا۔ اسی زمانے میں حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی بھی تھے، جب حضرت شاہ صاحبؒ کا انتقال ہوا تو شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ نے فرمایا کہ قبر میں ان کے تدفین کے وقت چودہ میل اردگرد عذابِ قبر اٹھوایا گیا۔ اور اس کی مثال ایسی ہے۔ کہ ایک مہمان کی خاطر پنکھا جھلا جاتا ہے مگر فائدہ اوروں کو بھی پہنچتا ہے۔ اس وجہ سے عام قبرستان میں تدفین کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔ کہ ممکن ہے کوئی صالح تالیٔ قرآن اور عالم اس میں دفن ہو تو اس کی وجہ سے سب کو فائدہ پہنچ جائے۔ مسجد یا گھر یا کسی الگ جگہ میں قبر بنانے میں دیگر مفاسد کے علاوہ ایک یہ بھی ہے کہ دعا کا بھی کوئی نہیں ہوتا۔ غرض یہ بھی برکت قرآن مجید کی تفسیر اور ترجمہ لکھنے کی۔ ہمارے استاذ الاستاذ حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا سے واپس آکر فرمایا۔ کہ اللہ کے دربار میں پیشی کے وقت جب خدمتِ دین کے بارے میں مجھ سے سوال ہوگا تو میں ترجمۂ قرآن پیش کر دوں گا کہ میں نے حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ بامحاورہ کر دیا ہے۔ شیخ نے فرمایا میں نے زندگی بھر نیکی نہیں کی صرف یہ ترجمہ ہے جس کے ذریعہ مجھے نجات کی امید ہے۔ حالانکہ زندگی بھر جہاد میں مشغول رہے۔ مشقتیں جھیلیں زندگی جیلوں میں گذاری تختۂ دار پر چڑھائے گئے۔ درسِ حدیث تمام عمر دیتے رہے۔ ان سب چیزوں کو یاد نہیں فرمایا۔ صرف قرآن کی اس خدمت کا ذکر فرمایا۔ تو اہل علم اور عارفین سمجھتے ہیں کہ خدمتِ قرآن کا کتنا اونچا مقام ہے۔۔۔

تمہاری اس تلاوت اور اس درس کا اثر تمام روئے زمین کے مسلمانوں تک پہنچتا ہے۔ کہ دنیا میں اب بھی زندگی کے کچھ آثار ہیں۔ فنار کاملہ نہیں آتی کیونکہ اللہ اللہ کہنے سے اس کائنات کی بقار ہے۔ اور اسکی برکت سے کافر بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اب مختصراً ان سورتوں کی جنہیں معوذتین کہا جاتا ہے۔ تشریح کی جاتی ہے۔ رب الفلق۔ (جو رب ہے فلق کا) فلق کہتے ہیں پو پھٹنے کے وقت کو جس طرح صبح کے وقت رات کی عظیم تاریکی منٹوں میں ختم ہو جاتی ہے۔ اور یہ صرف اسی قادر ذات مالک السموٰت والارض کی قدرت ہے اسی طرح قرآن کی روشنی سے کفر و ضلالت کی تاریکیاں خدا نے ہٹا دیں۔ فلق کا معنی ہے پھٹنا۔ تو اللہ وہ ذات ہے جس نے یہ تمام سبزیاں، پھل، پھول اگائے اور زمین ان کے لئے پھٹ گئی۔ من شر ما خلق تمام مخلوقات کی شر سے خواہ وہ ظاہری امراض

ہوں یا باطنی جس کا تفصیلاً بیان ہو چکا ہے۔ یہ سورتیں جادو و نظر بد وغیرہ سے تعوذ کے لئے بھی اکسیر ہیں۔ صرف ایمان کی قوت اور عقیدہ کی پختگی کی بات ہے۔ من شر غاسق اذا وقب۔ اور بدی سے اندھیری کی جب سمٹ آئے (یعنی رات) اس وقت چور ڈاکو دشمن فساق فجار اور تمام مضرات شیاء کے مشاغل بڑھ جاتے ہیں۔ رات ہر فتنہ کی آماجگاہ ہے۔ گناہوں کا ارتکاب اس میں ہوتا ہے۔

قل اعوذ برب الناس۔ پناہ مانگتا ہوں تمام بنی نوع انسان کے رب کے ساتھ۔ رب العالمین نہیں فرمایا۔ گو اس کی ربوبیت تمام عالم کے لئے ہے۔ مگر جتنا ظہور ربوبیت انسان میں ہے، دوسری مخلوق میں نہیں یہ تمام کائنات انسان کی تربیت میں لگا دی۔ جب بندہ سوچے کہ میں مربوب ہوں، مخلوق ہوں، خود بخود نہیں آیا۔ ہر سیکنڈ اور ہر لحظہ میری تربیت ہو رہی ہے تو اس تصور سے شیطانی وساوس ہٹ جاویں گے۔ ایک مومن اپنی تربیت کا لحاظ کرتے ہوئے ربوبیت خداوندی کو جان کر ایمان لے آتا ہے۔ اور تربیت کو خدا کی پہچان کا ذریعہ بناتا ہے۔ اور یقین کر لیتا ہے۔ کہ جب میں مربوب ہوں تو میرا رب ضرور ہے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون۔ غرض اللہ نے اس ایک جملہ میں ہمیں تعلیم دی کہ رب کو پہچانو اور اس طرح شیطانی وساوس کو نکال دو۔ عقلمند وہ ہے جو ان نشانیوں کو خدا کی پہچان کا ذریعہ بنا وے ____

ایک اعرابی کو شیطان نے پھسلانا چاہا۔ کہ تمہارا خدا کہاں ہے کہ تم اس پر ایمان لائے ہو۔ تو اعرابی نے اسے لاٹھی مار کر کہا کہ البعرۃ تدل علی البعیر والاقدام علی المسیر فسماء ذات ابراج وارض ذات فجاج کیف لاتدل علی اللطیف الخبیر؟ کہ مینگنی تو اونٹ پر دلالت کرے اور نقش پا چلنے والے کے قدموں پر۔ تو اتنی بڑی کائنات اپنے خالق لطیف وخبیر کے وجود پر دلالت نہ کرے۔ مالک الناس جو بادشاہ ہے لوگوں کا۔ ہماری زندگی چاند سورج غرض عرش سے فرش تک تمام اشیاء پر موقوف ہے۔ یہ فصلیں، غلے، اور سبزیاں، چاند سورج اور بارشوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ غرض کائنات کا ہر ہر ذرہ انسان کے نشوونما اور ترقی میں لگا ہے۔ اور کما حقہ، تربیت ہو رہی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ عرش سے فرش تک سب کچھ اللہ کے کنٹرول اور قبضے میں ہے۔ اگر کوئی چیز بھی اسکی حکومت سے باہر ہو تو انسان کی تربیت بھی نہ ہو ____ مگر جب تربیت محسوس ہے اور یقینی ہے اور اس تربیت میں کل کائنات کو دخل ہے تو کل کائنات پر اسکی سلطنت بھی یقینی ہے۔ چور، ڈاکو اور ابلیس اور تمام سرکش طاقتوں کی رپورٹ اور اس سے حفاظت بذریعہ حکومت کی جاتی ہے۔ اب جب وہ رب ہے اور مالک ہے اور ملک ہے اور دشمن خناس کے شر سے محفوظیت دینے والا بھی وہ ہے۔ تو ہم بھی اسی کی پناہ میں آئے۔

اطاعت وتابعداری یا تو احسان اور نفع کی امید میں کی جاتی ہے یا دفع مضرت وشر کے خیال سے۔ مثلاً ماں باپ کی تابعداری احسان کی وجہ سے اور حاکم وغیرہ کی ڈر کی وجہ سے۔ ایک جلب منفعت ہے دوسرا دفع مضرت جس میں ایک بھی پایا جائے تو اسکی تابعداری کی جاتی ہے۔ اور خدا میں یہ دونوں چیزیں ثابت ہیں کہ رب بھی وہی ہے۔ یعنی تمام خیر و نفع کا سرچشمہ اسی کی ذات ہے۔ اور ملک بھی وہی ہے۔ تمام کائنات کی حکومت اسی کے ہاتھ ہے تو اب پیشانی بھی صرف اسی کی طرف جھکنی چاہیئے۔ الٰہ الناس۔ کہ اب معبود بھی وہی ہے۔ کہ جو مربی عالم اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ تو بندگی بھی اسی کی زیبا ہے۔ من شر الوسواس الخناس۔ وساوس ڈالنے والوں کے شر سے مجھے بچاوے۔ الخناس جو وسوسہ ڈال کر چھپ جاتا ہے ۔۔۔

حدیث میں آیا ہے۔ کہ شیطان کے وسوسوں سے اللہ کے ذکر کے ذریعہ پناہ لیا کرو۔ لاحول الخ پڑھ لیا کرو یا اعوذ باللہ الخ پڑھ لو تو یہ بھاگ اٹھتا ہے۔ من الجنۃ والناس۔ خواہ یہ مخلوق جنات میں سے ہو یا انسانوں میں ابلیس ہوں یا اس کے اتباع ریسرچ اور تحقیق کے نام پر ہوں یا اور کسی اسلامی آڑ میں مسلمانوں کے لئے مارِ آستین ہوں۔ اور دین سے لوگوں کو ہٹانے کی کوشش کریں ۔۔۔ اس سے اللہ ہمیں بچائے اور اپنی پناہ اور حفاظت میں رکھے۔ ان دو سورتوں کو خوف کے وقت اور سوتے وقت پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیوں پر پھونک دیں اور دونوں ہاتھ اپنے بدن پر پھیر دیں انشاء اللہ تعالیٰ حفاظت رہے گی۔ اور اس سورت کے مفہوم کو ملحوظ رکھیں تو شیطان کے وسوسوں کا دفع ہوتا رہے گا۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بقیہ: احوال وکوائف دارالعلوم درس قرآن مجید کا افتتاحی درس دیا جس کا آغاز تین سال قبل مولانا فضل قدوس صاحب نے فرمایا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث کا عالمانہ درس قرآن شریک اشاعت ہے۔ نماز مغرب کے بعد مولانا حبیب اللہ صاحب مہتمم مدرسہ نے آپ سے جامعہ اسلامیہ تنگی کا معاینہ کرایا۔ عشاء کے بعد ایک بہت بڑے جلسہ عام میں آپ نے "حقیقی ترقی کیا ہے" کے موضوع پر ڈھائی گھنٹہ تک تقریر کی۔ ۶ مئی جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات کو آپ نے انجمن خدام الدین نوشہرہ کے جلسہ کی پہلی نشست میں افتتاحی اور صدارتی خطاب فرمایا، جس میں قرآن مجید کی اشاعت کے سلسلہ میں حضرت شیخ التفسیر مولانا لاہوری اور ان کی انجمن خدام الدین کی عظیم خدمات کا تفصیلی ذکر فرمایا اور اس ضمن میں فضائل قرآن مجید اور خدمت قرآن کے مقام اور قرآنی تعلیم عام کرنے کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ انجمن خدام الدین نوشہرہ کا اجلاس تین دن تک جاری رہا۔ اور مذکورۃ الصدر علماء کے علاوہ مولانا غلام غوث ہزاروی مولانا محمد علی جالندھری، مولانا قاضی زاہد الحسینی اور شاعر حریت سید امین گیلانی وغیرہ نے بھی اس میں شرکت کی۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی ؒ

سود کی حقیقت

ربوٰا کے لغوی معنی کسی شے کے بڑھنے یا زیادہ ہونے کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کسی شے کے مطلق بڑھنے یا زیادہ ہونے کو "اصطلاحی ربوٰا" نہیں کہہ سکتے۔ اور نہ اس پر حرمت کا اطلاق جائز ہو سکتا ہے۔ بلکہ "ربوٰا" مال میں ایک خاص قسم کے نفع یا زیادت (اضافہ) کا نام ہے جو کاروباری دنیا کی نگاہ میں بیع و شرا کی طرح ایک جائز معاملہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر اسلام نے کائناتِ انسانی کی فلاح و بہبود اور نظامِ معیشت میں رفعتِ اخلاق اور باہمی اخوت و مساوات کی بقا کی خاطر حرام قرار دیا ہے۔ اور نہ صرف ان ہی خاص شکلوں کی ممانعت کی ہے۔ جو دعوتِ اسلام سے قبل جاری تھیں، بلکہ اپنی جانب سے ایسے اصول بیان کئے جن کے زیرِ اثر قرض اور بیع و شرا دونوں میں شائبہ سود و ربوٰا کا کلیۃً انسداد کر دیا تاکہ اسلام کا معاشی نظام ربوٰا اور شائبہ ربوٰا دونوں سے پاک اور بالاتر ہو جائے۔ کیونکہ اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں اہلِ عرب ربوٰا یا سود کو صرف "قرض" کے اندر ہی محدود سمجھتے تھے۔ اور بیع و شراء یا تجارتی کاروبار کو غیر مشروط طور پر جائز قرار دیتے تھے۔ اس لئے جب ان کے سامنے اسلام کا نظریہ "حرمتِ سود" آیا تو کفارِ عرب نے فوراً کہہ دیا کہ بیع (خرید و فروخت) جس سے نفع کی توقع کی جاتی ہے۔ بھی تو سود ہی کی طرح کا ایک معاملہ ہے۔ پس اگر نفع و زیادت سود کو حرام قرار دیتی ہے۔ تو بیع و شرا کو بھی حرام ہونا چاہئے۔ ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ قرض کے ماسوا کاروبارِ تجارت میں بھی ربوٰا (سود) کا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔[1]

غرض اسلام کے معاشی نظام میں "اصطلاحی ربوٰا" کا اطلاق مروجہ مہاجنی سود سے زیادہ وسیع اور معاملۂ قرض اور معاملۂ تجارت دونوں سے وابستہ ہے۔

مہاجنی سود

ابھی ذکر ہو چکا کہ اہلِ عرب قرض اور دین کے ذریعہ جو نفع کماتے تھے اس کو ربوٰا یا سود سمجھتے اور اس کے جواز کے قائل تھے۔ اور یہ وہی معاملۂ ربوٰ تھا۔ جس کو آج "مہاجنی سود" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آج کی طرح مشرکینِ عرب میں بھی اس لین دین

[1] ڈاکٹر فضل الرحمان نے "منافع" کی آڑ میں سود کو حلال کہا تو کوئی نئی بات نہیں کی بلکہ اسی "جاہلی نظریہ" کا نئے پیرایہ میں اظہار کیا۔ (س)

کے مختلف طریقے رائج تھے۔

۱۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ صاحبِ ضرورت کو نقد روپیہ قرض دیتے اور ایک مدت معین کر کے فی روپیہ کچھ مقدار سود کی لگاتے تھے۔

۲۔ دوسری صورت یہ تھی کہ جب معین مدت ختم ہو جاتی تو سود اور اصل قرض کو ملا کر اپنی اصل قرار دیتے اور پھر اس مجموعہ پر سود لگانا شروع کر دیتے اسی کا نام "سود در سود" ہے۔

۳۔ زیور، ہتھیار، یا اسی قسم کی اشیاء رہن رکھتے اور ان کے عوض قرض دیتے اور اگر معین مدت میں قرضدار قرض ادا نہ کر سکتا تو روپیہ پر سود لگاتے اور اشیاء کی قیمت کم سے کم قرار دے کر ان کو ہضم کر جاتے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو "ربا نسیہ" کہا جاتا ہے۔[1]

اسلام نے سودی کاروبار کی ان تمام اقسام کو حرام قرار دیا اور بے محنت کی اس کمائی کو ظلم اور سُحت سے تعبیر کیا ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم نے جس اعجاز بلاغت اور حکیمانہ اسلوب خطابت کے ساتھ ربوا کی حرمت اور علت حرمت کو بیان کیا ہے۔ وہ آپ اپنی مثال ہے۔ اس نے اول ربوا کی اس صنف کے متعلق حرمت کا فیصلہ سنایا جو زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب میں عام طریقہ پر رائج تھی۔ اور جو آج بھی سود خوار طبقہ میں اسی طرح جاری و ساری ہے۔ اس نے واضح الفاظ میں یہ حکم دیا:

یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ○ (آل عمران)	اے ایمان والو! تم سود در سود کو ہرگز ذریعہ معاش نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح حاصل کرو۔

اور پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ مطلق سود کے متعلق صاف صاف اعلان کر دیا:

احل اللہ البیع وحرم الربوا (بقرہ)	اللہ تعالیٰ نے تجارتی خرید و فروخت کو جائز کیا ہے۔ اور سود کو ہر حیثیت سے حرام قرار دیا ہے۔

اور حرمت سود کے اعلان کے ساتھ ساتھ گذشتہ واجب الادا سودی رقوم کے متعلق بھی یہ بتا دیا کہ اب تک جو کچھ کر چکے ہو وہ کر چکے مگر حرمت سود کے بعد اب قرضداروں پر جو سود رہ گیا ہے۔ اس کو چھوڑ دو اور ہرگز نہ لو ورنہ تو خدا اور اس کے رسول سے جنگ مول لو۔

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مؤمنین	اے ایمان والو! اگر واقعی تم مسلمان ہو تو (سود کی حرمت کے بعد) جو سود تمہارا باقی رہ گیا

[1] احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۵۵۱

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (بقرہ)

ہے۔ اس سے درگذر کرو۔ اور اگر تم ایسا نہ کرو تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اور اگر باز آجاؤ اور اس بدکرداری "سے توبہ کرلو تو تمہارا اصل سرمایہ بہرحال واجب الادا ہے۔

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ)

اگر تم باز آجاؤ تو تمہارا اصل سرمایہ دلایا جائیگا۔ (اللہ کی مرضی یہ ہے کہ) نہ تم لوگوں پہ ظلم کرو اور نہ تم پہ ظلم کیا جائے

اور یہ سب اس لئے ہے کہ:

یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ۔ (بقرہ)

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے۔ اور صدقات کی پرورش کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کافر بدکار کو کسی طرح پسند نہیں کرتا۔

اسلامی عقیدہ کے مطابق یہ آخری حد ہے کہ "سود" کو کفر میں شامل کیا گیا ہے۔

وَمَا اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ

اور جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مالوں میں ترقی ہو تو وہ اللہ کے نزدیک ترقی نہیں پاتا (یعنی پاداشِ عمل کے قانون کے مطابق یہ آخری نتیجہ گھاٹا اور نقصان ہے۔)

گویا تمہاری نگاہوں میں اگرچہ "سود" سے مال میں ترقی ہو رہی ہے۔ لیکن دنیا میں اس شخص کو عداوتوں کی کثرت اور مال کی بہتات کی وجہ سے دلی بے اطمینانی و بے چینی اور ہل من مزید کی مجنونانہ خواہش کی بدولت "سود" سے فائدہ کے مقابلہ میں نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ اور آخرت میں اللہ کے پاس تو اس کے لئے نقصان ہی نقصان ہے۔ اور صدقات میں اس کا برعکس ہے۔ یا یوں کہئے کہ اللہ تعالیٰ حرمتِ سود کا حکم دے کر سود کو مٹانا چاہتا ہے۔ اور صدقات کی ترغیب دے کر ان کی نشو و نما کرتا اور لوگوں میں ان کو عام کرنا چاہتا ہے۔

لیکن ان تمام ہدایات و احکام کے باوجود جو شخص (اس ملعون عمل) سے باز نہیں رہتا اسکو سمجھنا چاہئے کہ وہ "بد اخلاقی" کے اس تاریک غار میں گر گیا ہے، جہاں وہ انسانیت کی شمع فروزاں اور اسکی شعاعوں سے یکسر محروم ہے۔ اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ سود خوار اپنے اس عمل سے خدا اور خدا کے رسول کو جنگ کے لئے چیلنج کر رہا اور اپنی دائمی بدبختی اور خسران مبین پہ مہر لگا رہا ہے۔

"فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ"

تم صفحہ عالم پر مٹے ہوئے اس نقش کو ذرا غور سے دیکھو جو سامنے "ایک خس پوش جھونپڑی کی شکل میں" نظر آرہا ہے۔ یہ ایک غریب و نادار بیوہ کا مسکن ہے۔ جس کے پاس دو یتیم و بیکس معصوم بچے شوہر کی زندہ یادگار ہیں۔ پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑے اور ٹوٹے پھوٹے چند برتن اس گھر کی کل کائنات ہیں۔ بچے بلک رہے ہیں۔ بیوہ آہ وزاری کے ساتھ گڑگڑا رہی ہے۔ مگر کچہری کا سپاہی وارنٹ قرقی ہاتھ میں لئے زبان کی گالیوں اور کبھی کبھی ہاتھ کے دھکوں اور مکوں سے بیوہ کی تواضع کرتے ہوئے اپنی سرکاری ڈیوٹی میں مشغول ہے۔ تھوڑے سے فاصلہ پر زنق برق کار میں ایک سفید پوش مہاجن ہنس ہنس کر یہ منظر دیکھ رہا ہے۔ اور بار بار جوش میں آ آکر منیب جی سے کہتا جاتا ہے دیکھو تو کس بے حیائی سے دوسرے کا مال مارنے کے لئے سوانگ بنا رہی ہے۔ کہ "میرے بچے بھوکوں مر جائیں گے۔ للہ رحم کرو، ان یتیموں پر رحم کرو، ان کا کوئی والی وارث نہیں۔ جب جھونپڑی اور یہ ٹوٹا پھوٹا سامان بھی نہ رہے گا۔ تو ان بیکسوں کا کیا حال ہوگا، جس روز شوہر کو پچیس روپیہ قرض لینے بھیجا تھا، اس دن خیال نہیں آیا تھا۔ کہ کسی کا دینا بھی پڑے گا۔ منیب جی سود اور سود در سود کے حساب سے پورے چار سو روپے بیٹھتے ہیں میں نے اکھٹے سو روپے چھوڑ دئے مگر یہ بے حیا تو دینا ہی نہیں چاہتی۔ اب اس سے زیادہ اور کیا "دیا" ہوسکتی ہے ناصاحب میں اپنی محنت کی کمائی اگر اس طرح چھوڑ دیا کروں تو ایک دن خاک ہی چاٹنی پڑے — آخر جھونپڑی نیلام ہوگئی، برتن کپڑے قرق ہوگئے اور بیوہ اور بیوہ کے بچے روتے پیٹتے گھر سے بے دخل کر دئے گئے۔

سودخوار کی زندگی کا یہ وہ معمولی سا تماشہ ہے، جو حکایات وقصص کی کتابوں میں نہیں بلکہ دنیا کی اسٹیج پر روزانہ واقعات کی شکل میں کھیلا جاتا ہے۔

دراصل سودخوار انسان روپیہ اور دولت کے خمار میں ایسا بدمست ہوتا ہے۔ کہ وہ انسانی اخلاق، مروت، ہمدردی، بلکہ انسانیت کو بے معنی اور مہمل الفاظ سمجھنے لگتا ہے۔ اور خود غرضی حرص وطمع اور دوسروں کو برباد کرکے اپنے مفاد کا حصول اسکی زندگی کا نصب العین بن جاتے ہیں۔ وہ ہر وقت اسی تگ ودو میں پاگل کتے کی طرح مجنون ومخبوط پھرتا رہتا اور مظلوموں اور بیکسوں کی فریاد وحالت زار سے اندھا، بہرا اور گونگا بن جاتا ہے۔

قرآن عزیز نے اسی لئے پاداش عمل کے قدرتی نتیجہ سے ڈراتے ہوئے عالم آخرت میں

اس کی اصل کیفیت و حالت کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا۔ (البقرہ)

جو لوگ سود کھاتے ہیں۔ وہ آخرت میں خدا کے حضور ایسی حالت میں کھڑے ہوں گے کہ گویا ان کو بھوت پریت لپٹ گیا ہے۔ اور وہ خبطی ہو گئے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ خرید و فروخت کا معاملہ سود کے معاملہ ہی کی طرح ہے[1]۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواءٌ۔ (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سودخوار، سود دینے والے، سودی دستاویز لکھنے والے اور گواہی کرنے والوں پر لعنت کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ خدا کی پھٹکار میں یہ سب برابر ہیں۔

---

[1] مشرکین عرب نے اپنے خیال میں علت ربا کے لئے بہتر سے بہتر دلیل یہ بیان کی کہ "ربوا" اگر قدرِ زائد کی وجہ سے حرام ہے ——— تو پھر بیع کیوں حلال ہے۔ جبکہ کسی نہ کسی شکل میں نفع (قدر زائد) یہاں بھی موجود ہے۔ قرآن عزیز نے اپنے معجزانہ اسلوب کے ساتھ اس کا رد کرتے ہوئے کہا: احل اللہ البیع وحرم الربوا۔ یعنی تم دیکھتے ہو کہ تمام معاملات میں بیع (خرید و فروخت) میں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔ جانبین (بائع و مشتری) کے مابین اصول کارفرما ہیں۔ (۱) دونوں جانب سے ارادی رضا و رغبت۔ (۲) باہم تعاون و اشتراک (۳) دونوں کے لئے منفعت کا حصول اور ظاہر ہے۔ کہ یہ تینوں اصول قانون۔ اخلاق اور علم المعیشت کی نگاہ میں صحیح اور درست ہیں۔ اس سے بہتر تعاون و اشتراک باہمی مواساۃ اور حسن سلوک جیسے فضائل کے حامل ہیں، جو انسان کی انسانیت کا طغرائے امتیاز ہیں۔ اور "ربوا" میں ان کے برعکس تین اصول جاری ہیں۔ ۱۔ ایک جانب میں رضا و رغبت اور دوسری جانب میں اضطرار و اکراہ۔ ۲۔ باہمی تعاون و اشتراک کا فقدان بلکہ کاروبار ترقی کے لئے دوسرے کے اضطرار و افلاس کا انتظار۔ ۳۔ ایک کے یقینی ضرر و نقصان پر دوسرے کے نفع کا مدار۔

پس اللہ تعالیٰ کہ جس کی صفات کمالیہ "رب العالمین" "الرحمٰن الرحیم" ہیں۔ اور جسکی رحمت عام اور ربوبیت تام تمام کائنات انسانی پر محیط ہے۔ وہ کب گوارا کر سکتا تھا۔ کہ اسکی باعقل مخلوق "انسان" باہمی محبت و مواسات اور تعاون و اشتراک کو چھوڑ کر خونخوار درندوں کی طرح ایک دوسرے کا خون چوسنے پر آمادہ ہو جائے۔ اس لئے اس نے "بیع" کو تو حلال قرار دیا اور "ربوا" کو حرام بنایا۔

غرض انسان کے وضع کردہ قوانین اور خدا کے فرمودہ احکام میں یہ بیّن فرق ہے کہ عام طور پر واضعین قوانین کے رجحانات پبلک کے رجحانات کے تابع ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ پبلک کے نمائندہ کہلاتے ہیں۔ اور چونکہ ان کی عقل بہر حال محدود ہوتی ہے، اس لئے وہ ان دور رس نتائج و ثمرات سے

(باقی ص پر)

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه واله وسلم انه قال : كلّ قرض جرّ منفعة فهو وجه من وجوه الربا[1]

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو قرض بھی نفع کھینچتا ہے۔ وہ سود ہی کے اقسام میں سے ہے۔

تجارتی سود

جہاجنی سود کے علاوہ اسلام کے اقتصادی نظام میں صاحب شریعت نے یہ اور اضافہ کیا کہ نہ صرف قرض و دین میں بلکہ تجارتی کاروبار کی بعض اقسام میں بھی سود (ربوا) پایا جاتا ہے۔ مثلاً اگر سکہ کی بجائے جنس کا جنس کے ساتھ تبادلہ مقصود ہے۔ یا چاندی اور سونے کا ہم جنس تبادلہ مطلوب ہے۔ تو ایسی صورت میں مسطورۂ ذیل ہر دو اصول کی پابندی ضروری ہے۔ ورنہ یہ معاملہ (ربوا) اور سود میں شامل ہو کر حلال سے حرام کی جانب منتقل ہو جائے گا۔

۱۔ اگر ہر دو جانب خرید و فروخت کی شے ہم جنس ہے۔ یعنی سونے کا سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گیہوں، جو، نمک، کشمش، منقی، وغیرہ اشیاء کا ہم جنس شے سے بیع و شرا مطلوب ہے۔ تو کھوٹے اور کھرے منقوش و غیر منقوش، کم قیمت و بیش قیمت، عمدہ اور ردی کا لحاظ

اس وقت تک کما حقہٗ واقف نہیں ہو سکتے جب تک تجربہ یا پبلک کا احتجاج اسکی موافقت یا مخالفت نہیں کرتے چنانچہ "ربوا" کے جواز کا مسئلہ بھی اسکی ایک کڑی ہے۔ اسلئے کہ انسان کی حیوانی خواہشات میں سے ایک خواہش طلب زر کی بھی ہے۔ اور اگر اسکو آزاد چھوڑ دیا جائے تو اسکی یہ خواہش کسی غایت یا قید و بند کو برداشت نہیں کرتی۔ پس تمام دنیوی حکومتیں اور ان کے واضعین قوانین اپنے اپنے ماحول کے رجحانات کے مطابق "ربوا" کے جواز کیلئے قوانین بناتے رہتے ہیں۔ اور اگرچہ وہ اس سلسلہ میں کچھ تحدید و تقید بھی کرتے جاتے ہیں۔ مگر عملاً ربوی معاشرتی نظام بے قید ہو کر افلاس عام اور کساد بازاری پر منتج ہوتا اور ایک مخصوص طبقہ میں دولت کی اجارہ داری قائم کر دیتا ہے۔

اس کے برعکس قانونِ الٰہی چونکہ انسانی دسترس سے بالاتر خالقِ کائنات کی جانب سے آتا ہے۔ جو مخلوق کے نفع و ضرر کا حقیقی علیم و خبیر ہے۔ اس لئے وہ حیوانی اوصاف سے پاک اور برتر رہ کر اس حیوانی خواہش کے خلاف فیصلہ صادر کرتا اور "ربوی معاشی نظام" کو حرام ٹھہراتا ہے کیونکہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی طرح اسکی بے قید خواہشات کے زیر اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ حقیقی مصالح عامہ اور فلاحِ عام پر مبنی ہوتا ہے۔

[1] بیہقی ج ۵ ص ۳۵۔ کتاب البیوع۔

کئے بغیر دونوں جانب ناپ تول میں مساوات بھی واجب ہے۔ اور نقد خریداری بھی واجب و ضروری، نہ کمی بیشی درست ہے۔ اور نہ ادھار جائز ہے۔

ب۔ اگر جانبین میں ہم جنس شے نہیں ہے۔ یعنی سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے۔ گیہوں کا جو سے یا جو کا گیہوں سے (وغیرہ وغیرہ) تبادلہ مقصود ہے تو ایسی حالت میں کمی وبیشی تو درست ہے۔ مگر ادھار جائز نہیں ہے۔ بلکہ واجب ہے کہ عقد بیع کے وقت دونوں جانب سے معاملہ بصورت نقد عمل میں آئے۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت ارشاد فرمایا ہے:

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواءً بسواء يداً بيد فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يداً بيد[1] (مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سونے کا تبادلہ سونے سے اور چاندی کا چاندی سے اور گیہوں کا گیہوں سے اور جو کا جو سے اور خرما کا خرما سے اور نمک کا نمک سے یکساں برابر برابر اور دست بدست ہونا چاہئے۔ (یعنی ناپ تول میں بھی مساوی ہوں اور ادھار بھی نہ ہوں) اور اگر ان اقسام کا تبادلہ ہم جنس قسم کے ساتھ نہ ہو تو کمی بیشی کے ساتھ جس طرح چاہو معاملہ کرو۔ لیکن معاملہ ادھار کا نہ ہو بلکہ دست بدست ہونا ضروری ہے۔

مجتہدینِ امت نے اس حدیث صحیح کو تجارتی کاروبار میں ربوا (سود) سے متعلق "اساس" قرار دیا ہے۔ اور اپنے اجتہاد سے ان وجوہ کی تحقیق و تفتیش کی ہے، جن کا وجود اس قسم کے معاملات میں حدیث کی بیان کردہ شرائط کی خلاف ورزی سے ربوا (سود) کا باعث بن جاتا ہے[2]۔ فقہاء اسکو "ربوا فضل" سے تعبیر کرتے ہیں۔

---

[1] یہ حدیث جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ اور اصطلاحِ حدیث میں مشہور بلکہ تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔ [2] ملاحظہ ہوں کتب فقہ و اصول فقہ۔

حدیث ربٰوا ایک اور حقیقت کا بھی اعلان کرتی ہے۔ وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "اسلام کے معاشی نظام" کو وطنی اور ملکی عصبیت سے بالاتر بین الاقوامی اخوت و مواسات پر قائم دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وحدت اسلامی کا پیغام حق اس راہ سے بھی بروئے کار آسکے کیونکہ عام طریقہ بیع و شراء میں اگرچہ کوئی شخص چاندی کو چاندی کے اور سونے کو سونے کے عوض نہیں خریدتا لیکن علمائے اقتصادیات کی نظر سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ دورِ حاضر میں تبادلۂ سکہ جات (ایکسچینج) کا جو سسٹم جاری ہے۔ وہ اسی ربٰوا کی ایک قسم ہے۔ جس میں تبادلہ کے وقت دو ملکوں کے درمیان چاندی کے یا سونے کے ہم جنس سکوں میں بھی "بٹاون" کے نام سے کمی بیشی کا اصول قائم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ "ایکسچینج پالیسی" ایک ایسا فاسد طریق کار ہے۔ جس کے ذریعہ دو ملکوں یا دو قوموں کے درمیان "معاشی دستبرد" کی راہ کھلتی ہے۔ پس اگر اسلام کے اقتصادی نظام میں اس کو جائز رکھا جائے تو گویا یہ پیش خیمہ ہوگا، معاشی دستبرد کے جواز کا۔ جو بلاشبہ حقیقی تجارت اور صحیح نفع اندوزی کے قطعاً خلاف ہے۔

اسی طرح دور نہ جائیے، قریب ہی سے اس دورِ جدید پر نظر ڈالئے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تجارت "علمی نظریوں" پر قائم اور کاروبار "سائنٹفک اصولوں" پر چل رہا ہے۔ اس دور میں بنک سسٹم کا سود، تجارتی سود کہلاتا ہے۔ لیکن کیا بین الاقوامی لیگ (LEAGUE OF NATION) کی روئیداد اور یورپ و ایشیا کے تجارتی ملکوں کے حالات اس امر کے شاہد عدل نہیں ہیں کہ بنک سسٹم کا موجودہ کاروبار ہی بڑی حد تک ان ملکوں کی کساد بازاری اور عام افلاس کا باعث ہے اور یہ سسٹم بڑے بڑے سرمایہ داروں کی بے پناہ زراندوزی اور بے قید نفع خوری کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اور ان کی بدولت غیر محسوس طریقہ پر دولت سمٹ سمٹ کر محدود طبقہ میں اس طرح پہنچ جاتی ہے کہ عوام کے لئے قوت لایموت کے لئے بھی کوئی راہ باقی نہیں رہتی ■■

معاونینِ الحق

ہمارے حلقۂ قارئین کے حسب ذیل احباب شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے الحق کی اشاعت میں حصہ لیا۔

نام	مقام	تعداد	نام	مقام	تعداد
مولانا فخر الدین صاحب	انگلینڈ	۸ خریدار	جناب غلام محمد صاحب	کھلنا	۱ خریدار
مولانا مختار حسن صاحب	چٹاگانگ	۱ "	مولانا محمد اسرائیل صاحب (فاضل)	شیر پاؤ	۱ "
مولانا سیف اللہ صاحب (فاضل)	لکی مروت	۳ "	جناب میجر جنرل میر افضل خان صاحب	بہاولپور	۲ "
جناب ناظم صاحب ادارہ فروغ عربی	میرپورخاص	۶ "	مولانا عبدالجمیل صاحب (فاضل)	لوند خوڑ	۱ "
مولانا عبدالحلیم صاحب (فاضل)	کوہاٹ	۱ "	جناب مشتاق احمد صاحب	کینال کالونی ٹیبہ	۲ "

۷— دلیلِ تخجیلی

وجدانی طور پر یہ بات ثابت شدہ ہے۔ کہ جب ایک آدمی جرم کرتا ہے، مثلاً زنا، اگر اس جرم کے دوران کوئی شخص اس کے جرم کا مشاہدہ کرے تو مجرم کا چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ اور خجالت و شرمندگی کے آثار چہرہ سے نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ نفسیاتی مسئلہ ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے۔ کہ مشاہدہ جرم نے مجرم پر اتنا اثر ڈالا ہے۔ کہ مجرم کا خون شرمندگی کی وجہ سے ظاہر بدن سے باطن کو منتقل ہو گیا اور ظاہر بدن میں بجائے سرخی کے زردی پڑ گئی، چہرہ پہ بجائے ترو تازگی پژمردگی چھا گئی۔ جب ہم اس کیفیتِ نفسانیہ جو مشاہدہ سے ثابت ہے، کے متعلق تحقیق کرتے ہیں۔ کہ اس کا سبب کیا ہے —— چونکہ یہ حادثِ نو پیدائش ہے۔ اور ہر حادث کسی نہ کسی سبب سے ہی ہوتا ہے۔ تو اس کے سوا اور کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ مجرم نے قانون کی مخالفت کی اور اس کا علم دوسروں کو ہوا جس کا اثر ہوا اور خجالت کی کیفیت پیدا ہو گئی —— مخالفتِ قانون کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مخالفتِ قانونِ زمینی یعنی انسانی قانون کی مخالفت۔ اور دوسری قانونِ سماوی یعنی قانونِ الٰہی کی مخالفت۔ زمینی قانون جیسے آج کل کے مملکتوں میں چلتے ہیں، اور جنہیں انسان بناتے ہیں۔ اور جب یہ صحیح ہے۔ کہ کیفیتِ نفسانیہ مخالفتِ قانون کا اثر ہے۔ مگر کس قانون کا اثر ہے۔ اگر قانونِ زمینی کا اثر ہے۔ تو یہ ناقابلِ تسلیم ہے۔ کیونکہ یہ کیفیت وہاں بھی پیدا ہوتی ہے۔ جہاں سے قانونِ زمینی رائج نہ ہو۔ جیسے یاغستانی علاقے یا انسانی قانون موجود ہو۔ مگر اس قانون کی گرفت سے مجرم کو خطرہ نہ ہو، مثلاً فرض کرو کہ ایک آدمی

جرم کر رہا ہے۔ اور عین جرم کی حالت میں مجرم کا بھائی آجاتا ہے۔ اب اگرچہ ایک بھائی بھائی کے خلاف رپورٹ نہیں کر سکتا جو کہ اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی ہو لیکن پھر بھی آثار خجالت اس مجرم پر پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ کیفیت جو طاری ہوئی مصنوعی قانون کی مخالفت کا نتیجہ نہیں بلکہ قانونِ الٰہی کی مخالفت کا نتیجہ ہے۔ اور قانون الٰہی پاکستان یا غستان خلوت جلوت عدالت وغیرہ سب میں برابر جاری ہے۔ یہ بات ہمیں حضرت مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی کی جبر و قدر کے بحث سے معلوم ہوتی ہے۔ مولانا عارف باللہ تھے اس لئے اس طرف بھی بعض ذہنیں انتقال کر گئی ہیں۔ کہ اگر مثنوی کا انگریزی ترجمہ کیا جاتا تو بہت سے انگریز اور غیر مسلم بھی مسلمان ہو جاتے، کیونکہ مولانا کا فلسفہ خشک نہیں۔ بخلاف یونانی فلسفہ کے اور درحقیقت سارا اسلامی فلسفہ خشک نہیں۔ کیونکہ اس میں محض نظریات نہیں بلکہ اعمال بھی ہیں وہ فرماتے ہیں ؎

زاری ما شد دلیل اضطرار   خجلت ما شد دلیل اختیار

تو معلوم ہوا کہ قانون ہمہ گیر کا موجود ہونا فطرت کی آواز ہے۔ شرمندگی اور انفعالی کیفیت اسکی ممانعت کا نتیجہ ہے ــــــ ان اثرات سے ہم موثر کی طرف انتقال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ ایک قانون موجود ہے جو صرف قانونِ الٰہی ہے۔ جو وحی اور کلام الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔

۸ ــــ دلیلِ حقوقی

اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ بلا استثنا تمام انسانوں کا فطری خاصہ ہے کہ ہمارے سب کے حقوق محفوظ رہیں۔ اور یہ انسان کا فطری خاصہ اور تقاضا ہے۔ اگر ہم اس بات کا اعلان کریں۔ کہ کون اپنے حقوق کے تحفظ کا خواہاں ہے۔ تو ۲½ ارب دنیا کی آبادی کا ہر عاقل انسان کہے گا۔ کہ میرے تمام حقوق محفوظ رہیں۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ تحفظِ حقوق کیسے ہو۔ اسکی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ محافظِ حقوق قانون انسانی ہو۔ دوم یہ کہ حقوق کا تحفظ بجائے قوانین انسانی کے ایمانی رابطہ کے ذریعہ ہو۔ دنیا کے موجودہ اقوام اور آبادیوں کی رائے ہے۔ کہ انسانی قوانین سے تحفظ حقوق ہو سکتا ہے۔ اس مقصد ہی کے لئے پولیس، حوالات، اور جیل خانے ضابطۂ دیوانی اور فوجداری، عدالتیں، بیرسٹر اور جج مقرر کئے جاتے ہیں۔ یہ رائے سطحی نظر رکھنے والے لوگوں کی ہے۔ مگر کچھ لوگ عمیق نظر اور صحیح بصیرت والے بھی ہیں۔ جو خال خال ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے۔ کہ مروجہ انسانی قوانین سے تحفظ حقوق نہیں ہو سکتا اور تحفظِ حقوق کے لئے کوئی دوسری راہ تلاش کرنی پڑے

گی - مثلاً فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس دس ہزار روپیہ ہے - ایک دوسرے آدمی کو اس خطیر رقم کا علم ہوا اور اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ شخص فلاں رستے سے گذرے گا چنانچہ وہ اس راستہ میں کسی پوشیدہ جگہ پر بیٹھ جاتا ہے - اور موقعہ پر اسے قتل کر دیتا ہے - اور رقم لے اڑاتا ہے - تو یہ قاتل ظالم اور مجرم ٹھہرا - اور مقتول مظلوم - اس مظلوم کی دو طرح حق تلفی کی گئی - ایک جانی حق کہ جان گئی - اور دوسرا مالی حق کہ اس کا مال لوٹ لیا گیا - اب اگر معاملہ یوں ہی رہنے دیا جائے تو عالم کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے - اور امن ہی ختم ہو جاتا ہے - اور اس کے دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس جرم کے مرتکب ہوں گے - نتیجہ یہ نکلے گا کہ اتلاف حقوق اور نقص امن سے یہ دنیا پُر ہو جائے گی - اب سوال یہ ہے - کہ کیا مروجہ انسانی قوانین سے اس کا تحفظ ہو سکتا ہے، یا نہیں - ؟ تحفظ حقوق کی صحیح صورت تو یہ ہو گی کہ جان کے بدلے جان لے لی جائے اور مال کے بدلے دس ہزار روپیہ اس سے لے لیا جائے - مگر یہ بات یقینی ہے - اگر دنیا میں تحفظ حقوق کا دارو مدار صرف انسانی قوانین پر رہ جائے تو نقائص نکلتے ہیں - مثلاً مجرم نے جرم ایسی حالت میں کیا کہ موقعہ پر کوئی گواہ موجود نہیں صرف ظالم اور مظلوم ہیں - مظلوم تو قتل ہو چکا ہے - اس صورت میں گواہ موجود نہیں، تو مجرم قانون کی زد میں نہیں آسکتا - اور اسی صورت میں مجرم کی نجات ہو گی - اور تحفظ حقوق نہ ہو گا -

دوسری وہ حالت ہے جس میں واقعہ دو چشم دید گواہوں کے سامنے ہوا ہو ظالم نے ان گواہوں کے سامنے مظلوم کو قتل کیا اور رقم چھین لی - اب اگر وہ گواہ یہ خیال کریں کہ ہم گواہی دیکر انسانی قوانین کے لحاظ سے اس ظالم کی دشمنی کیوں مول لیں اور سرے سے گواہی دینے سے انکار کر دیویں تو بھی مجرم کی نجات کی صورت نکل آئے گی - اور تحفظ حقوق نہ ہو سکے گا -

تیسری صورت یہ ہے - کہ دو چشم دید گواہوں نے واقعہ کو دیکھا اور آمادہ شہادت بھی ہیں - مگر ظالم کی طرف سے رشوت کی پیشکش ہو گئی - کیونکہ مقتول کی طرف سے تو کچھ مل نہیں رہا لہٰذا نجات ممکن ہو گئی اور حقوق ضائع ہو گئے -

چوتھی صورت یہ ہے - کہ گواہوں پر رشوت نہیں پڑا - بلکہ انہوں نے عدالت میں مظلوم کے حق میں شہادت دے دی تو دور حاضر کے شہادت ایکٹ کے تحت وکیل اور بیرسٹر موجود ہیں، جنہوں نے اس ایکٹ کے تحت گواہوں پر نکتہ چینی کی اور دونوں گواہوں کے بیانوں میں تعارض پیدا کیا گیا - جسکی وجہ سے گواہی مشکوک اور کالعدم ہو گئی - وکیل اور بیرسٹر کی برکت سے مجرم رہا ہو جائے گا اور حقوق کی بربادی -

پانچویں صورت یہ ہے - کہ گواہوں کی گواہی وکیلوں کی جرح سے بچ گئی - اور شہادت مکمل ہو گئی - مگر

صبح ملزم کی طرف سے جج کو رشوت یا سفارش پہنچ گئی اور نتیجۃً ملزم بری کر دیا گیا۔
اب اگر جج رشوت وغیرہ قبول نہ کرے بلکہ وہ فرد جرم عائد کر دے۔ تو اس کے بعد اپیل کا مرحلہ باقی ہے۔ جہاں سے بھی مجرم کی رہائی ہو سکتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب مجرم کی رہائی کے کم از کم چھ دروازے کھلے ہیں۔ وہاں انسداد جرائم کیسے ہو گا، جہاں محاسبہ اور قیامت کا احساس ہی نہیں، وہاں تحفظ کب ہو گا۔ اس لئے قانون انسانی سے تحفظ حقوق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لازمی طور پر سزا میں حدود خیر و شر کا لزوم نہیں ہوتا۔ اور جہاں یہ لزوم نہ ہو اس سے تحفظ ناممکن ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں قانونِ انسانی ناکام ہے۔ اور ایسے قانون سے تو لاقانونیت بہتر ہے ـــ جیسے یاغستان (آزاد علاقہ) میں ہے۔ جہاں نہ مظالم ہیں نہ مقدمہ بغیر کسی عہدنامہ و رجسٹری کے تمام کاروبار چلتے ہیں۔ مسجد میں آکر رقم دیتے ہیں۔ اور تحریر وغیرہ کچھ نہیں ہوتی میں نے پوچھا یہاں مقدمات کا کیا حال ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں دو سو سال سے کوئی مقدمہ ہوا ہی نہیں۔ ترکی کا قانونی مشن جو اقوام کی جانچ پڑتال کے لئے عالمی دورہ پر روانہ ہوا تھا، وہ پاکستان بھی آیا۔ مگر اسے یاغستان جانے کا موقعہ نہیں ملا۔ اور صرف سوات تک پہنچ سکا۔ اس ترکی کے قانونی مشن نے اپنی رپورٹ میں کہا تھا۔ کہ حفاظت امن و امان کا بہترین قانون سوات میں ہے۔ حالانکہ یہ مشن امریکہ یورپ کے دیگر ممالک کا دورہ بھی کر چکا تھا۔ تو فطرت کا تقاضا ہے۔ کہ اس کے حقوق کی تحفظ ہو۔ لیکن ثابت ہو چکا ہے۔ کہ یہ تحفظ انسانی قانون سے ناممکن ہے۔ اور وہ قانون صرف قانونِ الٰہی ہو سکتا ہے۔ جس سے تحفظِ حقوقِ انسانی اور احساسِ خیر و شر ہو سکے ـــــــ

(باقی آئندہ)

مبارکباد

موقر جریدہ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور نے الحق کے دیرینہ کرم فرما اور اعزازی رفیق جناب حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی کی ادارت میں اپنے نئے دور کا آغاز کیا ہے۔ ہم جمعیۃ العلماء اسلام کے اس آرگن کے دورِ جدید کا بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور جناب حکیم صاحب موصوف کو اس نئی ذمہ داری پر پرخلوص مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ (ادارہ)

اتحادِ عالمِ اسلام — ؟

روس اور امریکہ کے دو متحارب گروہوں نے آج دنیا کو آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پر لاکھڑا کیا ہے۔ سرد اور گرم جنگوں نے ایشیا، افریقہ اور یورپ کو کچھ اسطرح اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔ کہ ظلمتکدۂ ظہر الفساد فی البر والبحر کا مصداق بن کر رہ گیا ہے۔ آپ جس ملک پر نظر ڈالیں جس خطہ کے حالات کا مطالعہ کریں، آپکو معلوم ہوگا کہ مشرق سے لیکر مغرب تک ان گنت بارود خانے ہیں جس میں ہر آن آگ لگنے کا خطرہ درپیش رہتا ہے کہیں دو ملکوں کے درمیان اختلاف کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی جا رہی ہے کہیں سربراہوں اور عوام الناس کی آپس میں چل رہی ہے۔ غرض ہر چڑھنے والا سورج اپنی شعاؤں میں نت نئے انقلاب کی دعوت لاتا ہے۔ اور جب سورج کی کرنیں شبِ دیجور کی ظلمتوں کے آگے سپر انداز ہوتی ہیں۔ تو کوئی نہ کوئی حکومت اپنا دم توڑ بیٹھتی ہے ــــــ

ــــ مجھ ڈرتا ہوں عدم پھر آج کہیں بجلی نہ گرے بادل نہ اٹھے ــــــ آپ نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ بٹیر کہیں کھیت میں ھَلْ مِنْ مُبَارِزٍ کی دعوت دیتے ہوں۔ لیکن جب وہی بٹیر بٹیر باز کے ہاتھ میں آجائیں تو لڑکر انسان کے ذوقِ تماشا کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ امریکہ اور روس کی اس بٹیر بازانہ سیاست نے اقصائے عالم کا امن و امان غارت کر رکھا ہے۔ ایک کا اقتدار دوسرے کو نہیں بھاتا۔ چنانچہ دو ہمسایہ مملکتوں کے اختلافات کو ہوا دینا امریکہ اور روس کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ ادنیٰ مسائل کو پرابلم بنانا انہی طاقتوں کی ڈپلومیسی کا کرشمہ ہے۔ آج تک دنیا کی کسی پیچیدہ گتھی کو سلجھایا کم ہے، اور الجھایا زیادہ ہے۔ سلامتی کونسل ہو یا اقوامِ متحدہ یہ ادارے کیا ہیں، بڑی طاقتوں کی شکار گاہیں ہیں۔ چھوٹی طاقتوں کو پھانسنے کے مختلف پھندے ہیں، جن کے نام اور دعوے تو بڑے ہیں۔ لیکن درشن اور عمل تھوڑے۔ ان اونچی دکانوں کے پھیکے پکوانوں میں جسے یقین نہ آئے وہ قبرص کے در و دیوار سے پوچھ لے۔ کشمیر کے مسئلہ کو کھٹائی میں ڈالنے میں سب سے بڑی ذمہ داری ان ہی اداروں کے سر ہے۔

فلک کج رفتار اور چرخ جفا پیشہ کی ستم ظریفیوں کا کیا ٹھکانا، جب دانت تھے تو چنے میسر نہ تھے، اور جب چنے میسر آئے تو دانتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، جس صدی میں سید جمال الدین افغانی اتحادِ عالمِ اسلامی کا صور پھونک رہا تھا، اور مفتی محمد عبدہٗ اس درخت کی آبیاری کر رہا تھا، تو عالمِ اسلامی یا تو سو رہا تھا، اور برطانیہ و فرانس کی امر بیل

چھائی ہوئی تھی۔ عرب ممالک نیم غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے، پاکستان اور انڈونیشیا برطانیہ و ہالینڈ کی غلامی کے شکنجہ میں گرفتار تھے۔ ترکی یورپ کا مردِ بیمار سمجھا جاتا تھا۔ آج بفضل تعالیٰ تمام اسلامی دنیا غلامی کے چنگل سے آزاد اور آزادی کی نعمت سے متمتع ہو رہی ہے۔ لیکن ایسی قیادت کا فقدان ہے جو پورے عالم اسلامی کو جھنجھوڑ بھی سکے اور جوڑ بھی سکے۔ چنانچہ آج اسلامی ممالک ملتے تو ہیں لیکن آپس میں ملتے نہیں، بعض روسی بلاک کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہیں۔ اور بعض امریکن بلاک ڈبل بنے ہوئے ہیں، کچھ غیر جانبدارانہ پالیسی پر عمل پیرا ہیں، جب ہندوستانی مسلمانوں پر قافیہ حیات تنگ ہوتا ہے۔ اور کشمیر کے مظلوم باشندوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں۔ تو تنہا پاکستان سے احتجاجی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ دوسرے اسلامی ممالک ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ قبرص کے عید تروں پر یونانی درندے دہانِ آز تیز کرتے ہیں، تو ترکی میدان میں آتا ہے، لیکن عرب ممالک کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، اسی طرح فلسطینی عرب اسرائیلی مظالم کی آماجگاہ بنتے ہیں تو صرف عربوں کے سینے پر سانپ لوٹتے ہیں لیکن ترکی ٹک ٹک دیدم دم نکشیدم کے مصداق خاموش تماشائی کا پارٹ ادا کرتا ہے ———— روس و امریکہ کی ڈپلومیسی سے دنیا جو جہنم زار بن چکی ہے۔ جس میں آگ کے شعلے ہی شعلے ہیں۔ ضرورت ہے کہ دنیائے اسلام ابرِ رحمت بن کر اس آگ سے دنیا کو نجات دلائے۔ ان شعلوں کو بجھانے کا ویسا ہی خوشگوار فریضہ انجام دے، جیسا کبھی دے چکا تھا۔ کیا دنیا صدیوں پہلے قیصر و کسریٰ کے مظالم کی آماجگاہ نہ تھی، کیا خاقان و فغفور و چنگیز و پیش کا ناک میں دم نہیں کر رکھا تھا۔ اس وقت سسکتی ہوئی دنیا کا سہارا اسلام کے سوا کون تھا؟ کس نے ستم زدہ دنیا کے سر پر دستِ شفقت پھیرا تھا، نسیم اسلام کے خوشگوار جھونکے ہی خزاں دیدہ چمن کی روٹھی ہوئی بہار لوٹا سکتے ہیں۔ لیکن آہ! ؎

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے — اس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے

اس سلسلہ میں سب سے بڑی ذمہ داری اس ملک پر عائد ہو سکتی ہے۔ جسے دنیا میں پانچویں بڑی سلطنت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پاکستان بہت حد تک اتحادِ عالم اسلامی کی پالیسی پر گامزن ہے۔ بعض اسلامی ممالک سے مصافحہ اور بعض سے معانقہ کر چکا ہے۔ اسکی حقیقت پسند خارجہ پالیسی نے یہ گوارا نہ کیا، کہ اسرائیل کی حکومت تسلیم کرے۔ اور نہ عرب دنیا کی طرح قبرص کے مظلوم ترکوں سے صرف نظر کا مجرم بنا۔ چنانچہ سترہ روزہ جنگ میں اس کا صلہ بھی پا چکا ہے۔ تمام دنیائے اسلام نے جس طرح کشمیر کے مسئلہ میں پاکستان کے موقف کی تائید کی، وہ عالم اسلامی کے تابناک مستقبل کی غمازی کر رہا ہے۔ اور اس سے اتحادِ عالم اسلامی کے روشن امکانات پیدا ہو چکے ہیں۔ خدا ہمیں توفیق دے۔ اس سلسلہ میں السابقون الاولون کا درجہ پانے کے ہم اہل ہوں۔

لیکن یہ اتحاد کیسے رونما ہو؟ ایسا کرنے میں کیا کیا موانع ہیں؟ اور کونسی طاقتیں اس راہ میں روڑے اٹکا رہی ہیں؟ اور اس سلسلہ میں ہمارا طرزِ عمل کس حد تک ممد ہے؟ وغیرہ مختلف سوالات ہیں، جو بار بار گوشۂ دماغ میں ابھرتے اور نہاں خانۂ دل میں پیدا ہوتے ہیں؟ ———— اس پر انشاء اللہ کسی دوسری صحبت میں اظہارِ خیال کیا جائے گا۔ ▲▲

اسلامی دنیا کا تعارف

عالم اسلام

ملت اسلامیہ کی عالمگیر برادری

نائیجیریا

آبادی کے لحاظ سے براعظم افریقہ کا سب سے بڑا ملک اور اسلامی دنیا کا تیسرا بڑا ملک یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء میں آزاد ہوا۔ پاکستان کی طرح برطانوی دولت مشترکہ کا رکن ہے۔ ۱۹۵۳ء میں مسلمانوں کا تناسب ۴۵ فیصدی تھا۔ توقع ہے۔ کہ یہ تناسب اب نصف ہوگا۔ نائیجیریا ایک فیڈریشن ہے جس میں چار علاقائی حکومتیں ہیں۔ سب سے بڑی حکومت شمالی علاقے کی ہے۔ شمالی علاقے میں پورے نائیجیریا کی ۵۵ فیصدی آبادی رہتی ہے۔ اور رقبہ میں نائیجیریا کا ۳/۴ حصہ ہے۔ مسلمانوں کا تناسب ستر فیصدی سے بھی زیادہ ہے۔ شمالی علاقے کے وزیر اعظم احمد وبلو ہیں۔ اور صدر مقام کڈونا ہے۔ مغربی علاقے کی آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے۔ اور نصف باشندے مسلمان ہیں۔ مغربی علاقے کا دارالحکومت ایبادان ہے۔ جکی ساٹھ فیصدی آبادی مسلمان ہے۔ وفاقی دارالحکومت لیگوس مغربی علاقے میں ہے۔ اور یہاں ۱۹۵۲ء کی مردم شماری کے مطابق مسلمانوں کا تناسب ۴۲ فیصدی ہے۔ وسط مغرب کے علاقے میں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ اور مشرقی علاقے میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ لیکن اسلام آہستہ آہستہ پھیلتا جا رہا ہے۔ مونگ پھلی روئی اور کوکو خاص پیداوار ہے۔ جنگلوں میں قیمتی لکڑی پائی جاتی ہے۔ پٹرولیم نکالا جاتا ہے۔ لوہے اور سیسے کے وسیع ذخیروں کا پتہ چلا ہے۔ حالیہ انقلاب میں وزیر اعظم ابوبکر تفادا بلیوا اور شمالی نائیجیریا کے اوبیلو شہید کر دئے گئے۔ موخر الذکر افریقہ میں اشاعت اسلام کے علمبردار اور اسلامی اتحاد کے عظیم منادی تھے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

موریتانیا

یہاں کے باشندے نسلاً بربر ہیں۔ لیکن قومی زبان عربی ہے۔ صحرائے اعظم کا ایک حصہ ہے۔ لوہا اور تانبا کثیر مقدار میں نکالا جا رہا ہے جس سے ملک کی معیشت میں بڑی مدد مل رہی ہے۔ مختار داده صدر اور وزیر اعظم ہیں۔ موریتانیا ۲۸ نومبر ۱۹۶۰ء میں آزاد ہوا۔ آزاد ہونے پر اس نے اپنے فرانسیسی آقا کے آئین سے الگ رہنا پسند کیا۔ اور خود اپنا دستور تیار کیا۔ معیشت کا انحصار زراعت اور چراگاہوں پر ہے۔ کھجور، تمباکو، اور مچھلی مشہور پیداوار ہیں۔ رقبہ ۰۱۰ر۸، ۴۱۹ مربع میل اور آبادی ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق دس لاکھ ہے۔

سینگال

دنیائے اسلام کا انتہائی مغربی حصہ ۔ اگر انڈونیشیا سرزمین طلوعِ خورشید ہے تو سینگال سرزمین غروبِ خورشید ہے ۔ اگرچہ صدر لیوپولڈ سینگھر عیسائی ہیں ۔ لیکن ملک کی تقریباً اسی فیصدی آبادی مسلمان ہے ۔ سینگال ۱۹۶۰ء میں آزاد ہوا ۔ ڈاکر دارالحکومت ہے ۔ ۱۹۵۹ء میں جمہوریہ سوڈان کے ساتھ وفاق قائم کیا ۔ لیکن ایک سال کے بعد سیاسی تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا اور سینگال وفاق سے الگ ہوا ۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۶۰ء میں اقوامِ متحدہ کا رکن منتخب ہوا ۔ معیشت کا انحصار زیادہ تر زراعت پر ہے ۔ بندرگاہ ڈاکر میں سالانہ چار ہزار جہاز کاروبار کے سلسلے میں آتے جاتے ہیں ۔ بڑی تیزی سے صنعت و حرفت کے میدان میں داخل ہو رہا ہے ۔ افریقہ کے نو آزاد اسلامی ممالک میں سیاسی اعتبار سے کافی اہمیت رکھتا ہے ۔

مالی

سینگال کی طرح نیگرو ملک ہے ۔ ۱۹۶۰ء میں آزاد ہوا ۔ صدر موڈیبو کیتا مسلمان ہیں ۔ گلہ بانی بھیڑوں کو پالنے اور زرعی ترقی کے وسیع امکانات ہیں ۔ تقریباً ۷۵ فیصدی آبادی مسلمان ہے ۔ باماکو اس ملک کا دارالحکومت ہے ۔ ۱۹۶۲ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی چوالیس لاکھ کے قریب ہے ۔ ۱۹۵۸ء کے فرانسیسی دستور کے مطابق فرانسیسی سوڈان ایک آزاد اور خود مختار جمہوریہ بن گیا ۔ اور ۱۹۵۹ء میں اپنے پڑوسی سینگال کے ساتھ ملک کا وفاق قائم کیا جو مالی وفاق کے نام سے مشہور ہے ۔ ایک سال بعد کچھ اختلاف پیدا ہوا ۔ اور سینگال الگ ہو گیا ۔ اور سینگال نے جمہوریہ مالی کا نام اختیار کیا ۔

گنی

زمین زرخیز ہے ۔ مناظر حسین ہیں ۔ معدنیات کی کثرت ہے ۔ خصوصاً لوہے اور بکسائیٹ کے ذخیرے وسیع ہیں ۔ فرانسیسی نوآبادیوں میں سب سے پہلے ۱۹۵۸ء میں آزاد ہوا ۔ صدر شیخ توری ، افریقہ کے انتہائی ذہین مدبروں میں شمار ہوتے ہیں ۔ کوناکری دارالحکومت ہے ۔ مسلمانوں کا تناسب قریباً ۷۵ فیصدی ہے ۔ کل آبادی ۱۹۶۰ء کی مردم شماری کے مطابق تیس لاکھ ہے ۔ گنی نے چیکوسلاواکیہ ، مشرقی جرمنی ، پولینڈ ، روس ، چین اور دوسرے اشتراکی ممالک سے مالی و فوجی امداد حاصل کی ۔ افریقہ میں امریکہ کے استعماری ہتھکنڈوں کی کڑی تنقید کی ۔

نائیجر

بڑا حصہ صحرائے اعظم کا جزو ہے ۔ پھر بھی دریائے نائیجر کی وادی اور بعض دوسرے علاقے زرخیز ہیں ۔ اگست ۱۹۶۰ء میں آزادی ملی ۔ مسلمان ۸۵ فیصد ہیں ۔ صدر ہامانی دیوری ، دارالحکومت نیامی ہے ۔ زرعی ملک ہے ۔ جا بجا چراگاہیں ہیں ۔ وسائل محدود ہیں ۔ مویشی پالے جاتے ہیں ۔ رقبہ ۴۹۰,۰۰۰ مربع میل اور آبادی تیس لاکھ ہے ۔ ۱۹۶۰ء میں اقوامِ متحدہ کا رکن منتخب ہوا ۔ کپاس یہاں کی بڑی زرعی پیداوار ہے ۔ ●●

خدا کی دی ہوئی طاقتوں کا صحیح مصرف

از ارشادات امیر التبلیغ الداعیۃ الکبیر الشیخ محمد یوسف الدہلوی علیہ الرحمۃ

ذیل میں حضرت مولانا قدس سرہ کا وہ خطاب پیش کیا جا رہا ہے۔ جو آپ نے وصال سے ۱۷ روز قبل مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۶۵ء بعد از نماز صبح جامع مسجد ٹل ضلع کوہاٹ کے تبلیغی اجتماع میں ارشاد فرمایا۔ یہ تقریر پشاور یونیورسٹی کے ایم ایس سی کے ایک ہونہار طالب العلم نے قلمبند کی اور ہمیں مولانا محمد اشرف صاحب مدظلہ کی وساطت سے موصول ہوئی۔ (ادارہ)

میرے بھائیو اور دوستو! اللہ رب العزت جب دولت کسی کو عطا فرماتے ہیں، تو وہ دولت گھٹتی بھی ہے، اور بڑھتی بھی ہے۔ اگر اس دولت کو انسان اپنی خواہش کے لئے خرچ کرتا ہے۔ تو وہ دولت گھٹتی ہے۔ اور جب وہ اسکو اللہ کے حکموں کے مطابق استعمال کرتا ہے تو وہ دولت بڑھتی جاتی ہے۔ اور جب وہ اس دنیا سے چلتا ہے، تو کم سے کم اس دنیا سے دس گنی بڑی جنت اور ستر حوریں ملیں گی۔ اور یہ اندازہ رقبہ کے لحاظ سے ہے۔ اور جنت کی قیمت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ جنت کی ایک ہاتھ زمین کی قیمت پوری دنیا نہیں بن سکتی۔ ایک پھل کی قیمت دنیا نہیں بن سکتی، ایک حور اگر ان ستر حوروں میں سے اپنے ہاتھ کو نکالے تو سورج ماند پڑ جائے۔ اور پھر ان ستر حوروں میں سے جو سب سے گھٹیا حور ہو گی اور اس کی زیبائش کے لئے ستر جوڑے ہوں گے۔ تو پوری دنیا میں اس ایک جوڑے کی قیمت نہیں بن سکتی، تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اپنے سب سے گھٹیا جنتی کو دیں گے۔ اور اعلیٰ جنتی کو فی آدمی پچیس ۲۵ لاکھ حوریں عطا فرمائیں گے۔

جنت میں ایک درجہ ہے، اس کے پانچ سو دروازے ہیں۔ اور ہر ایک دروازے میں پانچ ہزار حوریں ہوں گی۔ اور یہ کس کے لئے ہوگا، کہ جس نے اپنی دولت کو خدا کی مرضی کے مطابق خرچ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر خرچ ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ اول تو اس انسان کو اتنا خوبصورت بنائیں گے اور اس کے ذرے ذرے کو اتنا قیمتی بنائیں گے کہ حدیث میں آتا ہے۔ کہ اگر

اس دنیا میں اُس جنتی کی جو کہ ستر حوروں والا ہے۔ اور جو کہ سب سے گھٹیا درجے والا ہے، کی خوشبو آجائے تو یہ دنیا والے اس کی خوشبو کو برداشت نہ کر کے مرجائیں گے۔ اور جو بڑے درجے کے ہیں، وہ تو ایسے ہوں گے کہ ان کی خوشبو کی ہوائیں چلیں گی پوری جنت میں ان کی حرکت سے۔ اور حرکت کیسی ہاتھ سینے پر رکھا تھا، سیدھا کیا، بیٹھا تھا، کھڑا ہو گیا، کھڑا تھا، بیٹھ گیا، بیٹھا تھا لیٹ گیا۔ تو جنتی کہیں گے کہ یہ خوشبو کیسی ہے۔ تو کہا جائے گا کہ یہ اعلیٰ درجے والے جنتیوں میں سے کسی نے حرکت کی۔ اور جیسے کہ دنیا میں دو قسم کی مخلوق ہیں۔ ایک ادنیٰ اور دوسری اعلیٰ، اعلیٰ انسان اور دوسری باقی مخلوقات، دوسری مخلوقات کو اللہ نے کُنْ سے بنایا اور انسان کو ایک خاص طریقے سے بنایا۔ اسی طرح اور جنتوں کو خدا نے اپنے حکموں سے بنایا، جب اسکو کہا کہ بن جا تو بن گئی۔ اور ایک جنت کو خاص طریقے سے بنایا، جس میں ہر ایک جنتی کیلئے پچیس لاکھ حوریں ہوں گی۔

حضرت عمرؓ کی تمنائے شہادت

تو حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ جنت یا تو نبی کو ملے گی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف اشارہ کیا، کہ نبوت تو آپ پر ختم ہو گئی۔ اور پھر کہا " او صدیق " یا صدیق کو ملے گا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی طرف اشارہ کیا ——— اور پھر فرمایا " او شہید " یا شہید کو ملے گا۔ اور پھر اپنے کو مخاطب کر کے فرمایا۔ " اَنّٰی لَکَ شَھَادَۃً " کیسے تمہیں شہادت حاصل ہو؟ کہ عراق اور شام کے میدانوں میں تو شہادت نہیں ملی، اور اب شہادت مل جائے، لیکن پھر جو سوچ لیا، کہ اللہ کی رحمت سے یہ ناممکن نہیں، تو اس کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے مدینے کی وفات دے دے، اور پھر شہادت دے دے، لوگوں کو حیرت ہوتی تھی کہ یہ کیسے ممکن ہے، لیکن آپ برابر اللہ سے دعا مانگا کرتے تھے۔ اور ایک دفعہ جو آپ باہر لیٹے ہوئے پتھر کو اپنا تکیہ بنائے ہوئے تھے۔ تو فرمایا کہ اب سلطنت بہت پھیلی اور میں امت کا کام سنبھال نہیں سکتا، تو مجھے سنبھال دے۔

تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہمیں یہ بات بالکل ناممکن نظر آئی، کہ آپکی موت مدینہ میں ہو اور پھر شہادت بھی ملے، اور یہ اس زمانے کی بات ہے۔ کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغیوں نے گھیر لیا۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے پاس گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آئے، کہ ہم اتنے زیادہ آدمی ہیں کہ اگر آپ فرما دیں تو ان کو فوراً مٹا دیں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی جان لے لوں، یہ مجھے زیادہ مشکل ہے بہ نسبت اس کے کہ اپنی جان دے دوں[1] ——— ایک صحابی تھے، انہوں نے دوسرے مسلمان کو مارا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] اس طرح کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ کہ حضرت عمرؓ جیسا اولو العزم خلیفہ راشد اور ممتاز صحابی کسی کے ہاتھ سے شہید ہو جائیں۔ (ادارہ)

کے پاس آئے، کہ اس کو اللہ تعالیٰ معاف کر دے، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت نہ کرے۔ اس کے بعد وہ واپس گئے اور آنسوؤں کی لڑی جاری تھی۔ کہ وہ مر گئے۔ اور پھر جو لوگ ان کو دفناتے تھے تو زمین باہر ڈالتی تھی، ایک بار دفنایا زمین نے باہر نکال ڈالا: دوسری بار دفنایا پھر نکال ڈالا۔ تیسری بار دفنایا، زمین نے پھر باہر نکال ڈالا۔ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ ایسا نہیں کہ یہ تم میں سب سے زیادہ گنہگار ہے۔ بلکہ اس لئے۔ کہ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے۔

ایک یہودی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قتل ہوا، تو آپ نے تمام مدینہ والوں کو بلایا، اور کہا کہ بتاؤ قاتل کون ہے؟ میرے زمانے میں قتل ہو جائے اور اس کا قاتل معلوم نہ ہو؟ تو ایک صحابی اٹھا اور فرمایا کہ بات یہ ہے کہ میرا بھائی جہاد کے لئے گیا اور مجھے گھر کا مالک بنایا۔ ایک رات میں اٹھا تو مرد کی آواز آئی۔ میں سمجھا کہ میرا بھائی آیا، اس لئے آگے بڑھا، لیکن جب قریب آگیا، تو کچھ اشعار سنے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ایک گرد آلود بالوں والا دھوکے میں آکر اپنے گھر سے باہر گیا ہے۔ اور میں اس کی عورت کی چھاتی پر مزے لے رہا ہوں " تو مجھے صبر نہ آیا) اور اس کو مار ڈالا۔

غرض حضرت عمرؓ نے اس وقت یہ دعا مانگی " او شہید" لیکن آپ نے اپنی شہادت خدا سے منوالی، اور آپ شہید ہو گئے، ایک غیر مسلم غلام کے ہاتھوں۔

مادی دولت اور انسان کی اندرونی طاقت کا موازنہ

تو یہ پچیس لاکھ حوروں والی جنت اس آدمی کو ملے گی جو اپنی دولت کو خدا کے حکموں کے مطابق صرف کر دے۔ اور مال، اقتدار، ملک، عہدے، سونا، چاندی اتنی بڑی دولتیں نہیں ہیں، جتنی کہ انسان کی جفاکشی اور انسان کے اندر کی طاقت ہے۔ انسان کی طاقت ایٹم بم سے بڑی دولت ہے، اس دولت کو اگر انسان نے اپنی طبیعت کے مطابق لگالیا۔ جس کو چاہا بچالیا، جس کو چاہا کھالیا، اور جس کو چاہا مار لیا، تو جب اس کی طاقت اور دولت کا خرچ اپنی طبیعت ہی پر ہوتا ہے۔ تو جس علاقے سے یعنی اندر سے یہ دولت آتی ہے۔ وہ وہاں ہی استعمال ہوتی ہے۔ ایسی دولت اس علاقے کی زمینوں میں دفن ہو جاتی ہے جہاں سے ابھرتی تھی اور دوسری جگہ ساتھ نہیں دیتی۔ اور اسی طرح جو لوگ اس دولت کو اپنی طبیعت پر خرچ کرتے ہیں، وہ خدا کے سامنے جواب دہ ہوں گے، کہ تم نے ان کو کیونکر خرچ کیا، مال کی دولت، خارجی دولت یہ گھٹیا ہیں۔

اور اندر کی دولت یہ بڑھیا درجہ کی دولت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو یہ علاقہ خارجی دولتوں (مادی قوت وطاقت) کے لحاظ سے بالکل خالی تھا، بھوک کا یہ عالم تھا کہ درختوں کے خشک پتے تک کھائے جاتے تھے، سانپ تک کھایا جاتا تھا، اور یہ سوراخوں کے اندر جو گندے کیڑے ہوتے ہیں۔ کہ ہاتھ تک نہ لگایا جا سکے، وہ کھاتے تھے، لیکن اندر کی طاقت بہت تھی، اور اتنی تھی کہ دو فریقوں کے درمیان لڑائی ہو گئی، قبیلے والے تمام قتل ہوئے، اور صرف دو بچے تو انہوں نے یوں کہا کہ اگر ایک دوسرے کو قتل کر دے، تو ایک بہادر اور دوسرا بزدل قرار پائے گا۔ تو اچھا یہ ہو گا کہ دونوں مصالحت سے اپنے آپ کو قتل کر دیں۔ تاکہ دونوں کی بہادری کی دھاک بیٹھ جائے۔

کھانے کے لئے کچھ نہ تھا، لیکن اندرونی طاقت کا یہ حال تھا، کہ شیر سے مقابلہ ہوا، منہ میں ہاتھ ڈال دیا، اور تلوار پاس تھی، لیکن اس کو استعمال نہیں کیا۔ اور آخر یہ کہ وہ غالب ہوا۔ اژدھا سے مقابلہ ہوا تو اژدھا نے نگل دیا، اب اژدھا کی یہ کوشش کہ درخت سے لپیٹ کر اس کے بند توڑ دے۔ لیکن اس نے تلوار نکالی اور اس کے پیٹ کو چیر کر باہر نکل آیا۔ تو یہ طاقت تھی۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو آئے تو آپ نے یوں کہا کہ یہ دولت اپنے نفس پر خرچ نہ ہو۔ بلکہ جس خدا نے یہ دولت دی ہے، اس خدا کے حکموں پر خرچ ہو۔ اس کا استعمال سکھلایا۔ یعنی اس دولت کے خرچ کرنے کا رُخ خدا اور آخرت کی طرف موڑ دیا۔

پہلے تو دولت کا یہ خرچ تھا کہ ایک نے دوسرے کو تھپڑ مار دیا۔ اب بات یہ ہو گئی کہ ایک قبیلے والے اپنے تمام آدمیوں کو خرچ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن سردار کو تھپڑ لگانا منظور نہیں، اور دوسرے والے تمام آدمیوں کے کٹ مارنے کو تیار لیکن اپنے آدمی کی بے عزتی منظور نہیں، تو کیا ہوا وہ طیش میں آکر کسی طریقے سے گھس کر اس کے دو تھپڑ لگائے۔ اور اس طرح گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔

ھرمزان سے لڑائی ہوئی، گرفتار کئے گئے اور اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں مدینہ بھیجا گیا۔ اس لئے کہ قتل کیا جائے۔ اب جب آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں لیٹے ہوئے پتھر پر سر رکھے ہوئے ہیں۔ معاملہ پیش ہوا۔ آپ نے قتل کا حکم دیا، اور یہ پوچھا کہ کوئی آرزو ہے؟ اب یہ تھا پیاسا، اس نے مانگا پانی، اور کہا کہ جب تک پانی نہ پیوں مجھے قتل نہ کیا جائے۔ آپ نے یہ خواہش منظور فرمائی۔ لیکن جب پانی کا پیالہ حاضر کیا گیا تو ھرمزان نے اس کو اُلٹ دیا، اور پانی نہیں

پیا، اور کہاکہ جب تم نے مجھے پانی پینے تک مہلت دی ہے۔ تو میں پانی نہیں پیوں گا۔ حضرت عمرؓ قتل کرنا چاہتے ہیں، لیکن قاضی فتویٰ دیتے ہیں، کہ تو نے امن دی ہے۔ اور اس دشمن کو آزاد کیا جاتا ہے۔ جس نے بے شمار مسلمانوں کی جانیں لی ہیں، تو وہ طاقت جو کہ تھپڑ تک کی برداشت نہیں رکھتی تھی، اب حال یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، امیر المومنین چاہتے ہیں لیکن قتل نہیں کر سکتے اپنے اصولوں کے مطابق۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے زمانے میں مسجد تنگ ہوئی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، کی زمین پاس تھی، آپ سے مانگا، آپ نے نہیں دی۔ تو کہا کہ خوشی سے نہیں دیتے تو زور سے لے لوں گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، نے کہا، کہ حضرت داؤد علیہ السلام مسجد اقصیٰ بنا رہے تھے۔ بڑھیا کا مکان حائل ہوا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑھیا سے مکان مانگا لیکن وہ راضی نہیں ہوئی، بہت زیادہ قیمت دینی چاہی، لیکن وہ پھر بھی نہیں مانی، حضرت داؤد علیہ السلام نے زور سے لینے کا ارادہ کر لیا۔ کہ اتنے میں آواز آئی کہ تو ہمارے گھر کو نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ تو نے ایک بڑھیا کے بارے میں انصاف نہیں کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ سے گڑگڑا کر معافی مانگی، تو جواب آیا کہ تو نہیں بنا سکتا۔ البتہ تیرے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کے بنانے کی توفیق دی جائیگی۔ اب حضرت سلیمان علیہ السلام کا وقت آیا اور انہوں نے بڑھیا سے قیمتاً زمین مانگی، تو بڑھیا نے قیمت کہہ دی بہت زیادہ، لیکن آپ نے کہاکہ اچھا، اب بڑھیا پوچھنے لگی کہ قیمت زیادہ یا میری زمین زیادہ قیمتی، آپ نے فرمایا کہ تیری زمین زیادہ قیمتی ہے۔ تو بڑھیا نے کہاکہ میں تو نہیں دیتی، آپ نے قیمت دوگنی کر دی۔ بڑھیا راضی ہوئی، لیکن پھر جو پوچھا کہ رقم زیادہ ہے یا میری زمین زیادہ قیمتی ہے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ تیری زمین زیادہ قیمتی ہے۔ تو انکار کرنے لگی، آخرکار حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ شرط لگائی کہ تو جتنی زیادہ قیمت مانگتی ہے مانگ لے۔ لیکن یہ نہ کہنا کہ رقم زیادہ یا میری زمین زیادہ قیمتی، تو بڑھیا نے بہت زیادہ رقم مانگ لی۔ اور اسی طرح وہ زمین فروخت ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے کہاکہ جب نہیں دیتا تو مسجد کو یوں ہی رہنے دیا جائے، تو فرمایا کہ اے عمرؓ! اسلام نے سب کی زندگی کو محفوظ کیا ہے۔ تم اپنے مال سے اسے نہیں خرید سکتے اور میں اسکو اب خدا کے گھر کیلئے اپنی خوشی سے دیتا ہوں۔

عوف ابن مالکؓ نے ایک یہودی کو مارا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو تحقیق کے لئے مقرر کیا، عوف ابن مالکؓ نے معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ، سے کہا کہ آپ میرے لئے

صرف اتنی مہلت مانگ لیں کہ میں واقعہ کی حقیقت بتا سکوں، آپ نے وعدہ کیا۔ حضرت عمرؓ
معاذ ابن جبلؓ سے تحقیق کا جو وقت ٹھہرا چکے تھے، وہ وقت آیا چنانچہ جونہی آپ نے سلام پھیرا تو
پہلا سوال یہ کیا، کہ کیا تحقیق کی، معاذ ابن جبلؓ کھڑے ہوئے، اور کہا کہ جب تک عوف ابن مالکؓ
اپنی بات پوری نہ کریں، اُسی وقت تک اُسے کچھ نہ کہنا۔ چنانچہ عوف ابن مالکؓ اٹھے اور کہا، کہ
میں جا رہا تھا کہ ایک مسلمان عورت پردہ میں چھپی ہوئی گھوڑے پر سوار تھی اور یہ یہودی اس سواری
کو چھیڑتا تھا، اور وہ شریف عورت اسکو کچھ نہیں کہتی تھی، میں دیکھتا تھا کہ اس نے سواری کو بدکایا
جس سے وہ عورت زمین پر آرہی۔ تب اس یہودی نے کھلے بازار میں اس عورت کی پردہ دری کی
مجھ سے رہا نہ گیا اور جا کر اس کا کام تمام کر دیا۔

حضورؐ نے اندرونی طاقت کے استعمال کے طریقے بتلا دئے

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
طاقت کے استعمال کے طریقے بتائے، طبیعت سے چھڑا دیا، ان کے باہر کی جو دولت تھی
اس کے بھی استعمال کے طریقے بتائے۔ اس طاقت کو اللہ کے طریقوں کے پھیلانے میں لگاؤ کہ
تمہیں دیکھ کر لوگ تمہارے پیچھے چلنے والے بن جائیں۔ اس کے لئے خارجی دولت کی کوئی ضرورت
نہیں، یہی تمہاری چکنی روٹی کافی ہے۔ صبر کی دولت کو باقی رکھ دو، جفاکشی کی دولت کو باقی رکھ دو،
یہ ساری چیزیں اپنی اپنی جگہ پر لگالو، یہاں تک کہ خدا اگر قیصر و کسریٰ کے خزانے بھی دیدے تو
اپنے مکان کو بڑھیا نہ بناؤ۔ بلکہ اوروں پر خرچ کرنا سیکھو، فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا
عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ
الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ؕ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ کہ خدا نے مومنوں کی جان و مال دونوں خریدی ہیں۔
اور جو خرید لیں تو یہ ان کا نہیں رہا، بلکہ ان کے حکموں کے مطابق خرچ ہوں گے۔ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ
الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ
وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

اَلتَّآئِبُوْنَ، طبیعت پر نہ چلے، نفس پر دولت کا استعمال نہ ہو، بلکہ ہر حال میں اللہ کے
حکموں کی طرف رجوع کرنے والا ہو، اور جو دولت خدا نے دی ہے، العابدون! وہ عبادت
کے جو طریقے ہیں، اس پر استعمال ہوگا، اب دولت کا استعمال جو آیا، تو حرام سے بچاؤ ہوگا۔ آپ نے

پیسے کے خرچ پر حرام کھالیا، تو عبادت منہ پر مار دی جائے، اب دھوکا چھٹے گا، چوری چھٹے گی، کسی کا مکان دبایا تو واپس کیا جائے گا، زمین دبائی تو واپس دی جائے گی۔ لینے کا ہاتھ بند کر دیا۔ کہ خدا کی مخلوق سے لینے والا نہ بن جائے، بلکہ ہر ایک کا یہی کام ہے۔ کہ اللہ سے لے اور مخلوق کو دے، عبادت کے ذریعے اللہ سے لے اور مخلوق کو دے، مخلوق کو دینا اخلاق اور اللہ سے لینا عبادت، ہم مخلوق پر لگا دیں گے تو اللہ اپنے خزانوں سے دیں گے، دینے والا بن مخلوق کو اور لینے والا بن اللہ سے، جب زندگی کا یہ ترتیب بدلو گے، اور ہر حال میں ہم اللہ کے شکر کرنے والے اور اس کے حکموں پر چلنے والے بن جائیں، دس، بیس، پچاس جو ایسے بن جائیں، تو وہ اپنے لئے نہ رہیں، بلکہ خدا کے لئے ہوئے۔ السائحون:۔ ان نقشوں کو پوری دنیا میں قائم کرنے والے بن جائیں، جہاد مارنے مرنے کو نہیں کہتے، بلکہ اللہ کے احکام کو جاری کرنے کی سعی اور کوشش کا نام جہاد ہے۔ الراکعون الساجدون :۔ تھوڑا جھکو، پورا جھکو، پانچ روپے مانگیں گے، سو روپے مانگیں گے۔ دو چلے مانگے جائیں گے۔ تین چلے مانگے جائیں گے۔ اپنے ماحول کو بنانا ہے۔ یہ صفت پیدا ہو جائے، یہ نہیں کہ پیسے تھوڑے ہیں، یہ نہیں کہ کٹائی کا وقت ہے۔ بلکہ جس حال میں ہو چل نکلو۔ اب ہر ایک دولت والا اپنی دولت کو خدا کی بغاوت پر خرچ کر رہا ہے، خدا کی اطاعت پر نہیں کرتے، تو اس اللہ کے بندے کا کام کیا ہوگا۔؟ الآمرون بالمعروف والناہون عن المنکر۔ معروف کا حکم کرنا اور منکر سے منع کرنا، معروف کیا ہیں! پورا موافقت دین اور منکر کیا ہے پورا خلاف دین۔ حکمت کے ساتھ دین کیلئے محنت کرنے والے بن جائیں، یہ ایک محنت بن گئی، تو اس محنت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا ہے، والحافظون لحدود اللہ، کہ حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے بن جاؤ۔ لیکن جہاں کوئی آپ کو یہ کام کرنے نہ دیں گے تو وہاں یقاتلون فی سبیل اللہ اس کے لئے اب اپنے جان و مال کو لگالو، جو مجموعہ اس پوری ترتیب پر آئے گا، تو خدا کے محبوب بن جائیں گے۔ لگا دی اپنی پوری طاقت، دعوت کا میدان قائم کیا، دل کی گہرائیوں میں کوئی غرض نہیں، لیکن صرف اس لئے کوشش کرتا ہے۔ لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا کہ اللہ کا بول بالا ہو جائے۔ اپنے جان و مال کا خرچ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پہ آئے گا تو کامیابی ہو جائیگی۔

اب مالداری کے باوجود دین فقیر ہے، پیسے کی دولت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر خرچ نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کے طریقوں پر خرچ ہو رہی ہے۔ تمہاری یہ کوٹھی درحقیقت قبرستان ہے۔ اس میں تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے دفن کئے ہیں۔ اسلام ماتحت ہے۔

کس کے ماتحت ہے مسلمان کے ماتحت ہے۔ یہ خدا کے حکموں کو اپنے ھوٰی وہوس کے لئے توڑتا ہے، اور خدا کے حکموں کے لئے اپنے ھوٰی وہوس کو نہیں توڑتا۔

یہ طریقہ ہے۔ اور یہ ساری نعمتیں اسکو ملتی ہیں، جو کہ اپنے اندرونی اور بیرونی دولت کو اس طریقہ پر خرچ کرنے والا بن جائے، کامیابی اور ناکامی کے حالات کو، خوف دامن کو، فقر اور غنا کو خدا نے کائنات سے بنی ہوئی چیزوں کے ساتھ نہیں جوڑا، بلکہ انسان کے اعمال سے جوڑا۔ ان اللہ لایغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسہم، خدا اس قوم کی حالت کو نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ اپنے عملوں کو نہ بدلے ——

دل کی دنیا کب پلٹتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اعمال کو اعضا سے جوڑ رکھا ہے۔ اور اعضاء کو دل کے ماتحت رکھا، اور دل کو اپنے ہاتھ میں رکھا، (ان قلوب بنی آدم بین اصبعین من اصابع الرحمن او کما قال) تمام مسلمانوں کے دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اولیاء اللہ کے دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں، روس اور امریکہ والوں کے دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں، چینیوں کے دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اولیاء اللہ کے دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اور یہاں تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے سردار کا دل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا اللہ میں ایک بندہ ہوں، تمام بیویوں میں برابری نہیں کرسکتا، میرا دل تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ دل کب پلٹے گا، اللہ سے دعا مانگ سے، دنیا دار الاسباب ہے، بچہ مانگتا ہے تو اس کے اسباب اختیار کرنے ہوتے ہیں۔ غلہ مانگنا ہے تو کاشتکاری کرنی پڑتی ہے —— اسی طرح کلمہ نماز پر محنت کر کے اس سبب کو اختیار کرلے، نماز ہے کیا انسان کا استعمال خدا کے حکم کے مطابق اللہ کو قدرت ہے کہ بغیر بیوی کے بیٹا دے، بغیر کھیتی کے غلہ دے، اللہ کو قدرت ہے کہ نبی کے قتل کے ارادے سے آئے ہوئے کا دل پلٹ دے اور خلیفہ بنادے، شہدائے احد کے قاتل کو جرنیل بنادے، یعنی خالد بن ولید رضؓ کو —— تو اللہ تعالیٰ کے قدرت کے استعمال کا نام نماز ہے۔ اور انسان کو اللہ کی قدرت کا استعمال تب آجائے، جبکہ اس کی نماز ان پانچ باتوں کے ساتھ ہو۔

نماز کی پانچ باتیں

۱۔ خدا کی قدرت کا یقین ہو جائے۔ یہ یقین ہو جائے کہ اللہ چاہتے ہیں، تو عزت کی شکلوں سے عزت ملتی ہے۔ اور اللہ چاہے تو بغیر شکلوں کے ذلت آتی ہے، یہ ہو گیا لا الٰہ الا اللہ کا یقین، یہ کلمہ کا یقین، یہ ہے کاشتکاری کے خلاف یقین، دوکانداری کے خلاف یقین، —— فرمایا

الوضوء سلاح المومن۔ وضوء مومن کا ہتھیار ہے۔ یہ یقین آجائے کہ وضوء کیا، تو ہتھیار ہاتھ میں لے لیا، اور ہر کام ٹھیک ہو گیا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر اللہ کے قدرت کا استعمال ہو گا، ہماری نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو گی تو ہم کامیاب ہوں گے، ہمارے زوال کا سبب کیا ہے؟ ہمارے نماز کے صفوں کا سیدھا نہ ہونا، حالانکہ اس کا خیال ہر زمانے میں رکھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں، حضرت عمر فاروق رض کے زمانے میں اور حضرت علی رض کے زمانے میں دس دس پندرہ پندرہ منٹ صفوں کے سیدھا کرنے میں لگتے تھے۔ اتنی دیر لگتی تھی کہ آدمی کھڑے ہو کر اپنی باتوں کے بجائے دینی مسئلے پوچھتے تھے۔ اور پھر اس وقت میں جواب بھی مل جاتا تھا، یہ ہیں قدرت سے حفاظت لینے کے طریقے۔ اب نماز میں، قیام میں، رکوع میں، سجدے میں، قعدہ میں یہی مشق ہے کہ اللہ تربیت کرنے والے ہیں، اور کس طریقے پر تربیت کریں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر، اگر ہمارا قیام، ہمارا سجدہ اور ہمارا قعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو گا تو ہماری تربیت فرمائیں گے — ۲۔ اللہ کا دھیان ہو، اور اللہ کا دھیان ہو، تو تطابق قول وعمل کا ہو، جو کچھ نماز میں کہے اس جیسا عمل ہو، اور جو یہ دھیان نہ ہو، تو ایسی نماز اللہ سے دلوانے والی نہیں — ۳ — اخلاص ہو، صرف اللہ کے لئے نماز کا پڑھنے والا ہو، ریا اور دکھاوے کے لئے نہ ہو۔ ۴۔ فضائل والے شوق کے ساتھ نماز پڑھی جائے۔ کہ اس پر یہ ملے گا اور اس پر یہ ملے گا، تکبیر اولی پر یہ ملے گا۔ قرأت پر یہ ملے گا، نماز جماعت پر یہ ملے گا، قعدہ پر یہ ملے گا، سجدہ پر یہ ملے گا، رکوع پر یہ ملے گا۔ قیام پر یہ ملے گا، اور اس کے ساتھ — ۵ — مسائل والی پابندی ہو کہ کن باتوں سے وضوء میں پرہیز کی جائے۔ اور کن کن باتوں کو اختیار کیا جائے، نماز میں اعضاء کو کیسے رکھے، تصوّر اور دھیان کو کیسے رکھے، قیام میں نظر کہاں رہے، رکوع میں کہاں رہے، سجدہ میں کہاں رہے، اور قعدہ میں کہاں رہے، تو یہ نماز قدرت کی حفاظت کی نماز ہو گی، اب نماز والے طریقوں کو عام کرنا ہو گا، اور اس کے لئے محنت اختیار کرنی ہو گی۔

اللہ کی راہ میں محنت کے چار طریقے

اب محنت کے چار طریقے ہیں۔ ۱۔ اپنے اہل وعیال پر محنت، وکان یامر اھلہ بالصلوٰۃ والزکوٰۃ وکان عند ربہ مرضیا۔ ۲۔ اپنی قوم پر محنت، قال یقوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہ غیرہ۔ ۳۔ اور کبھی ایک سے زیادہ قوموں پر محنت کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل اور قبطی دونوں قوموں پر محنت کی، ان ھؤلاء لشرذمۃ قلیلون۔ وانھم لنا لغائظون ۝ وانا لجمیع حاذرون ۝ ۴۔ اور ایک اور محنت ہے۔ وہ پورے عالم میں محنت ہے

یہ چاروں محنتیں ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملیں، وأمر اهلك بالصلوٰة واصطبر عليها لانسئلك رزقاً نحن نرزقك والعاقبة للتقوىٰ، وانذر عشيرتك الاقربين۔ وانذرهم يوم الحسرة اذ قضي الامر۔ اور انا ارسلنك كافة للناس بشيراً ونذيراً۔ گھر پر رہو تو بھی محنت یا باہر کو جماعت بن بنا کر لوگوں کو اس محنت کے لئے پھراؤ۔ اگر ایک جگہ بھی ایسی بن جائے، ایک قبیلہ بھی ایسا بن جائے، تو اللہ تعالیٰ پوری دنیا میں دین کی ہواؤں کو چلائیں گے۔ گھروں میں بھی محنت مقام پر بھی محنت ہے۔ علاقے میں بھی محنت ہے اور ملکوں میں بھی محنت ہے۔ تو جب یہ چار باتیں ان پانچ باتوں سے ملیں، تو پھر اللہ تعالیٰ پوری دنیا میں دین کو پھیلائیں گے۔

جب اس محنت کا تقاضا چل جائے۔ تو سارے تقاضوں کو اس کے لئے قربان کریں، انفروا خفافاً وثقالاً ۝ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا کر دکھایا، بال بچوں کے لئے گھر نہیں بنایا، سارے مسئلے قربان کر دکھائے، تو جب یہ سارے تقاضے قربان کر گئے تو اب رب نے فرمایا کہ اے ابراہیم! اب مانگ کیا مانگتا ہے؟، تو عرض کیا۔ ربنا واجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا امة مسلمة لك۔ اپنے نفسانی تقاضوں کا پورا کرنا کوئی کمال نہیں بلکہ اللہ کے حکموں پر اپنے تقاضوں کو قربان کرنا کمال ہے، ایسے بن جاؤ، محنت کرنے والے کہ جس وقت آواز لگے اور اس وقت کوئی بھی مسئلہ درپیش ہو تو آپ اس کو چھوڑ کر دین کی محنت کے لئے چلے جائیں، آخری مقابلہ ہے تبوک، تبوک کے صفت پر مسلمانوں کو رکھ کر آپ تشریف لے گئے۔ سخت قحط گزر چکا ہے، کھجور کے فصل کے پکنے کا موسم ہے، ہر ایک کا خیال ہے کہ فصل پکے تو کچھ آرام ہو۔ کہ حکم آیا انفروا خفافاً وثقالاً ۝ نکل جاؤ خواہ ہلکے ہو یا بوجھل۔ اب صحابہ کرامؓ ہمت کر کے نکلے اور اتنے نکلے کہ اتنے کبھی نہیں نکلے تھے، یعنی چالیس ہزار کی تعداد میں سخت گرمی کے موسم میں اپنے گھر کے عیش و آرام کر چھوڑتے ہوئے نکلے، کمائی کا مقابلہ اللہ کے تقاضے سے، کیا، تو کیا ہوا، چلے گئے اور سرحد پر پھر کر واپس آئے، لڑے نہیں۔ کیونکہ وہاں دشمن موجود ہی نہ تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ نے اپنا پورا مال پیش کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدھا مال حاضر کیا، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار آدمیوں کا خرچہ اٹھا لیا، عورتوں نے بالیاں، ہاتھوں اور پیروں کے زیور بیچ ڈالے، اب آخری منزل یہ ہے کہ اپنے تقاضوں کو قربان کر لیں۔ یہاں تک حال ہوا کہ پیاس کی شدت سے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کی اوجھڑیوں سے پانی نکالنے لگے اور ایک ایک کھجور پہ گذارہ کرنے لگے، جب کہ اونٹوں کی تعداد بھی کم ہونے لگی، اور سواری کے لئے تکلیف

پیش آنے لگی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کھجور باقی ہیں، آپ برکت کے لئے دعا فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو کھجور بڑھ گئے اور پانی کا ایک پیالہ لایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ہاتھ رکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی بہنے لگا۔ تمام لشکر نے پانی پیا، جانوروں کو بھی پلایا گیا، اور مشک، برتن وغیرہ بھی بھر لئے گئے۔

دلوں سے جان کی پرواہ نکال دو، گھر کی پرواہ نکال دو، اور اس کے بعد یوں کہو وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی اللہ۔ یہ اخلاص ہے، اور جب یہ آجائے گا کہ دوسروں کی خیر خواہی کے لئے اپنے جان و مال کو جھونکیں گے۔ اور آخرت میں بدلہ چاہیں گے، اللہ پر یقین آجائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ دین کو چمکائیں گے۔ ■■

"دیوبند کے قیام کی برکت تھی کہ انگریزوں سے نفرت میں (جس کے جراثیم میرے اندر موروثی موجود تھے) شدت پیدا ہوئی بعد میں اس میں اتنا اضافہ ہوا کہ ایک انگریز نہیں سارا یورپ ہی اس وقت کفر و مادیت کا علمبردار ہے۔ اور اس کے زوال کے بغیر دین و اخلاق کا عروج اور اسلام کی دعوت کا پھلنا پھولنا مشکل ہے۔ یہ صرف کسی ایک حکومت اور کسی ایک ملک کی غلامی کا سوال نہیں۔ سوال ایک پوری تہذیب ایک مستقل نظام فکر اور ایک عالمگیر دعوت کا ہے۔ جو پیغمبروں کی لائی ہوئی تعلیمات اور ان کے نتائج و اثرات کے بالکل ضد واقع ہوئی ہے۔ وہ کیا وقت اور ماحول تھا جس میں حضرت موسیٰ نے بڑے اضطرار سے یہ دعا کی تھی ربنا انک آتیت فرعون وملاہ زینۃ واموالا فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک ربنا اطمس علی اموالھم (الآیۃ) یہ بات یورپ کے عالمگیر اقتدار اور اس کی سحر انگیز ترقی ہی کو دیکھ کر سمجھ میں آئی۔ انگریز مشرق میں اپنی لادین و مادہ پرست یورپ کا ایک کامیاب ایجنٹ تھا، اور ہم اہل مشرق کو سب سے پہلا اور سب سے بڑا واسطہ اسی سے پڑا اس لئے اس سے ہماری نفرت بالکل قدرتی امر ہے۔ لیکن الکفر ملۃ واحدۃ۔ ع این خانہ تمام آفتاب است اس تہذیب اور اس دعوت کے علمبردار امریکہ اور روس اور خود ایشیا کے وہ لادینی ممالک اور ریاستیں ہیں، جنھوں نے یورپ کے نظام فکر اور نظام حیات کو پورے طور پر اپنا لیا ہے۔ نیز یورپ سے عالم اسلامی کو جو دینی، ایمانی، اخلاقی، نقصان پہنچا ہے۔ وہ ان مادی نقصانات سے بڑھ کر ہے جو غیر ملکی حکومت سے ان ممالک کو پہنچا ہے۔ بہرحال انگریز سے یہ مخصوص نفرت بھی قابل قدر چیز تھی اور اس میں شبہ نہیں کہ اس میں ماحول مولانا (حسین احمد مدنی) کی صحبت اور مطالعہ کو خاص دخل تھا۔"

مولانا ابوالحسن علی ندوی

(مقدمہ مکتوبات شیخ الاسلام جلد دوم)

غیر مطبوعہ خطوط

بنام مولانا قاری اصغر علی مرحوم

تبرکات و نوادر

از حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ برہانہ

یہ حضرت شیخ الاسلامؒ کا تیسرا غیر مطبوعہ مکتوب ہے۔ جو ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ مکتوب حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنے جان نثار خادم اور سیکرٹری مولانا قاری اصغر علی صاحب مرحوم کے نام لکھا ہے۔ خط میں ایک جگہ حضرت مرحوم کی مخصوص ظرافت جھلک رہی ہے۔

(ادارہ)

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف اس سے پہلے آپ کا مرسلہ والا نامہ برہمن باریہ سے مولوی تاج الاسلام صاحب خود لیکر پرسوں ۲۶ ذی الحجہ کو آئے تھے۔ افسوس کہ میں برہمن باریہ بھی نہ جا سکا۔ ان کے سخت تقاضوں پر میں کسی قدر تیار بھی ہوا تھا، مگر یہاں کے لوگوں اور بالخصوص ڈاکٹر نے اجازت نہ دی۔ بنا بریں میں ان کے اجلاسوں میں شریک نہ ہو سکا۔ آپ کا تار بھی پرسوں ہی پہنچا۔ مجھے سخت تعجب ہے۔ کہ آپ نے تار کیوں دیا اور پریشان کیوں ہوئے۔ میں نے صاف طور سے لکھ دیا تھا کہ کوئی پریشان کرنے والی بیماری نہیں ہے۔ خطرناک نہیں ہے۔ ایک معمولی سی تکلیف ہے۔ اگر ایسی تکلیف کسی اور عضو میں ہوتی تو نقل وحرکت اور حضوری و شرکت جلسوں سے مانع نہ ہوتی۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ میرے پیر کی انگلیاں خلقی طور سے بہت زیادہ ملی ہوئی ہیں۔ وضوء کا پانی ان میں رہ جاتا ہے۔ اور وہ گلا دیتا ہے۔ صرف گرمیوں میں یہ شکایت نہیں رہتی ہے۔ جاڑوں اور برسات میں عام طور پر زیادہ ہو جاتی ہے۔ انگلیوں کا درمیانی چمڑا گلتا رہتا ہے۔ بالخصوص بارش اور تالاب کا پانی اسکو زیادہ نقصان پہنچاتا ہے۔ جاڑوں میں موزوں کے پہننے کی وجہ سے بہت زیادہ حفاظت رہتی ہے انگلیوں کے درمیان میں رطوبت بھی نکلتی ہے۔ مگر آج تک کبھی زخم پیدا نہ ہوا تھا۔ ایک مرتبہ جبکہ میں سلہٹ میں تھا، زخم پیدا ہو گیا تھا۔ جو کچھ عرصہ میں جاتا رہا تھا۔ میں دیوبند سے روانہ ہوتے وقت موزوں کو وہاں ہی چھوڑ آیا۔ کیونکہ گرمی کا موسم آگیا تھا۔ اور موزے بھی

بوسیدہ ہو گئے تھے۔ چونکہ پانچوں وقت پانی انگلیوں میں پہنچنے کی عادت نہ رہی تھی، اس لئے اس سفر میں انگلیوں میں پانی نے اثر کیا۔ اور کچھ خارش معلوم ہونے لگی۔ پور بینہ پہنچ کر خارش کی وجہ سے تیل لگانا شروع کیا۔ تیل کے بعد خارش کچھ کم ہو جاتی تھی، مگر بعد کو زیادہ ہوتی تھی۔ میں اگر پہلے سے تحفظ کرتا اور وضوء کے بعد پانی خشک کر لیا کرتا تو غالباً یہ نوبت نہ آتی۔ خارش میں کھجلاتے ہوتے بہت مزہ آتا تھا۔

لڈو میں نہ پیڑے میں نہ برفی میں مزہ ہے جو حضرت کھجلی کے کھجانے میں مزہ ہے

مگر اس مزہ نے آج کا دن دکھایا سونا ڑی میں اور زیادہ ہوئی مگر میں اس کو معمولی تکلیف سمجھتا رہا۔ کھڑے ہو کر تقریر کرنا۔ پیروں سے چلنا پھرنا ترک نہ کیا۔ گو النڈو کے دریا کا پانی استعمال کرتا رہا اور تیل برابر لگاتا رہا۔ آخر کار حبیب گنج میں بھی چلنا پھرنا ہوا اور کھڑے ہو کر تقریر کرنی پڑی۔ بنیا چنگ میں بھی یہی ہوا۔ آخر کار درد پیدا ہوا، زخم ہو گیا۔ بخار بھی آ گیا۔ تیل کی وجہ سے چمڑا نرم ہو چکا تھا۔ زخم نے سرایت کر دی۔ اب چلنا پھرنا کھڑا ہونا بند ہو گیا۔ انگلیوں میں تکلیف زیادہ ہونے لگی۔ ڈاکٹری علاج ہوتا رہا۔ بحمد اللہ زخم مندمل ہو رہا ہے۔ اور بڑے درجہ تک مندمل ہو گیا ہے۔ اب فرائض کھڑے ہو کر ادا کر لیتا ہوں۔ کچھ تکلیف ہوتی ہے۔ مگر ابھی تک بالکل صحت نہیں۔ ڈاکٹر کی رائے یہ ہے۔ کہ بعد از صحت بھی سفر نہ کرنا چاہئے۔ جب تک کہ نوزائیدہ چمڑہ سخت نہ ہو جائے۔ اگر یہ نوزائیدہ چمڑہ اور گوشت نقل و حرکت کی وجہ سے زخمی ہو گیا۔ تو کم از کم مہینہ بھر اندمال میں لگ جائے گا۔ اس لئے کچھ دیر ہو رہی ہے۔ ورنہ کوئی فکر کی بات نہیں۔ تمام جلسے چھوڑنے پڑے۔ سلہٹ کے لوگ یہاں پر یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں۔ ایک مجمع رہتا ہے۔ بکثرت خدمت کرنے والے اور خبر گیری کرنے والے جمع رہتے ہیں۔ مجھے اس مرض کی معمولی تکلیف کے اور کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے۔ البتہ یہ فکر ضرور ہے۔ کہ نہ یہ اجلاس ہی نصیب ہوئے اور نہ پڑھائی کے حرج سے بچنا ہوا۔ فکر شدید مدرسہ اور طلباء کے حرج کا ہے۔ مگر تقدیر الٰہی میں کیا چارہ ہے۔ میں انتہائی کوشش میں ہوں کہ جلد از جلد پہنچوں۔ ڈاکٹر کی رائے اور مشورہ کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ آپ گھر میں کہلا دیں کہ کوئی فکر نہ کریں۔ اور خود بھی کوئی فکر نہ کریں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرماویں ــــ غالباً مولانا ابراہیم[1] صاحب واپس آ گئے ہوں گے۔ سفر سے بھی پہنچ گئے ہوں گے۔ یہ عرضی جناب مہتمم صاحب[2] کی خدمت میں پہنچا دیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ یوم جمعہ

---

[1] حضرت علامہ مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی صدر مدرس دار العلوم دیوبند [2] حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی (ادارہ)

جناب مولانا محمد اشرف صاحب ایم۔ اے شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی
رفیق اعزازی۔ الحق

آخری قسط

حضرت علامہ ندوی کا مقصد اس سیاست کو "شجر ممنوعہ" قرار دینا ہے۔ جو یورپ کی پیداوار ہے۔ رہا اعلاء حق و کلمۃ اللہ کے لئے مساعی اور جدوجہد اور حصول مقصد دینی کے لئے جماعتی اور اجتماعی ذرائع اور وسائل کا اختیار کرنا، تو حضرت علامہ اس کے پرزور داعی ہیں۔ اسلام میں سیاست کا اپنے اصلی مفہوم اور اسلامی مطالب کی روشنی میں دین سے الگ کوئی تصور ہی نہیں۔ (س)

ایک دوسرے مقام پر سورۂ فاتحہ کی تفسیر کرتے ہوئے مسلمانوں اور ممالک اسلامیہ کے اپنے خاص مقاصد و طریقہ زندگی سے گریز اور سید الانبیا وصلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ کاملہ سے افسوسناک اعراض کا بیان اور ان کا یورپین یہود و نصاریٰ کے مردود و گمراہانہ طریقوں کی پیروی کا تذکرہ کس محرمانہ و حکیمانہ، علمی، پُر درد و مؤثر انداز میں فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے :

"یورپ کا ہر فتنہ اور ذہنی انقلاب کا ہر ہنگامہ جو دنیائے نصاریٰ میں رونما ہوتا ہے۔ اس کی تہ میں جو قوت کارفرما ہوتی ہے۔ وہ یہودی ہوتی ہے۔ وطنیت کا فتنہ، بین الاقوامیت کا فتنہ، ڈیموکریسی کا فتنہ، سوشلزم کا فتنہ، بالشوازم کا فتنہ، ان میں سے کون سی چیز ہے، جو یہود کی دماغی سرکشی اور ذہنی طغیان خیال کی ممنون نہیں۔ آج یورپ اور امریکہ میں ایک طرف سرمایہ پرستی اور جمہوریت کا پہرا قائم ہے۔ اور دوسری طرف مزدوروں اور کسانوں کی دعوت کی غلط صورت اور سوشیالسٹ تحریک کی لادینی حکومت کے کیمپ لگے ہوئے ہیں۔ اور دونوں چیزیں یہودیوں کی طاغیانہ رہنمائی اور نصاریٰ کی گمراہی کے دوگونہ عناصر سے مرکب ہیں۔ اور ساری دنیا ان دونوں طغیانی و گمراہی کے فتنوں میں سر سے پاؤں تک مبتلا ہے۔

آج ہمارے اسلامی ممالک خواہ وہ اپنے کو آزاد کہیں یا غلام، حاکم کہیں یا محکوم، کیا

انہی دو فتنوں میں سے کسی ایک میں مبتلا نہیں۔ اب یاد کیجئے رب العالمین مالک یوم الدین نے اوّل روز سے ہم کو یہ بتایا تھا۔ کہ تم ہمیشہ ہر ایک حال اور اپنی ہر چال میں انبیاء علیہم السلام کے راستہ پر قائم رہنا اور مغضوب اور ضال قوموں سے بچے رہنا۔ مگر کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم نے اس کا الٹا کیا، یعنی انبیاء کے راستے کو چھوڑ کر مغضوب اور ضال قوموں کی راہوں کو اختیار کیا۔ اور آج بھی یہی حال ہے۔ آج مسلمانوں کی ہر جماعت خواہ وہ کسی ملک میں ہو اپنی ترقی و اصلاح اور سعادت کے لئے انبیاء علیہم السلام کی طرف نہیں، بلکہ انہیں مغضوب اور ضال قوموں کی امامت کی اقتدار کے لئے بے قرار ہے۔ وضع قطع، تراش و خراش، صورت و سیرت، تعلیم و تربیت، تہذیب و تمدّن اخلاق و عادات، رفتار و گفتار، تجارت و اقتصاد و معاملات اور حکومت و سلطنت غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اس کا رخ انبیاء علیہم السلام کی طرف ہے؟ یا مغضوب و ضال قوموں کی طرف؟ ہم زبان سے تو کہتے ہیں۔ کہ منہ میرا طرف کعبہ شریعت کے، مگر رفتار کی سمت لندن، پیرس، ماسکو، برلن اور نیو یارک ہے۔ زبانوں سے تو اپنی سعادت و ہدایت کو انبیاء علیہم السلام کی اور خصوصاً سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں منحصر جانتے ہیں۔ مگر دل میں اپنی ترقی کا راز یورپ اور امریکہ کی پیروی میں منحصر مانتے ہیں۔ ہم میں سے بعضوں نے جو دانشمندی کے مدعی ہیں۔ دین اور دنیا کے دو حصے کر رکھے ہیں۔ اور دین میں انبیاء کی اور دنیا میں ان مغضوبوں اور گمراہوں کی پیروی کے داعی ہیں۔ لیکن دین و دنیا کی یہ تقسیم کی تاویل بھی انہی گمراہوں کی تعلیم کا اعادہ ہے۔ جنہوں نے اپنے آسمانی صحیفوں میں یہ لکھا پایا ہے۔ کہ "جو قیصر کا ہے قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے خدا کو دو" گویا وہ دو خداؤں کے قائل ہیں۔ قیصر جو دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ اور خدا جو آسمان پر فرمانروا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں وہ واحد ہے۔ وہ قیصر کون ہے۔ جو خدا کے ساتھ برابر کی حکومت کا دعویٰ دار ہے۔ "لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔) ان مغضوب و ضال قوموں کی ایجاد و اختراع، دولت و طاقت، حکومت و سلطنت کی ظاہری چمک دمک نے ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے۔ اُن کی عریانی و بے پردگی۔ اُن کی نفس پرستی و ہوسناکی و خود پسندی، ان کے تکبر و استکبار، ان کے

کفر وعصیان کی ہر تصویر ہمارے دل کو پسند ہے۔ ہمارے بچے، جوان، بوڑھے، عورت اور مرد ہر ایک اس کوشش میں ہے۔ کہ وہ یہود و نصاریٰ کے اس مشترکہ پیدا کردہ تہذیب و تمدن، طور و طریق، شکل ولباس، تعلیم و تربیت کی راہوں کی اقتدا کی تیز سے تیز دوڑ میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے۔ اور ہر اس ناصح کی تکذیب میں مصروف ہے۔ جو اُن کو ان مغضوبوں اور گمراہوں کی پیروی سے باز رکھنے کی کوشش میں ہے۔ کہ وہ یہود و نصاریٰ کے اس مشترکہ پیدا کردہ تہذیب و تمدن، طور و طریق، شکل، لباس، تعلیم و تربیت کی راہوں کی اقتدا کی تیز سے تیز دوڑ میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے۔ اور ہر اس ناصح کی تکذیب میں مصروف ہے۔ جو ان کو مغضوبوں اور گمراہوں کی پیروی سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ آج مسلمان نوجوان اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اپنے رہنمائے اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ نہیں۔ بلکہ لینن، اسٹالن، ہٹلر، مسولینی، چرچل اور روزویلٹ کے نمونوں کی تلاش اور ان کے روپ بھرنے میں ہر طرح کوشاں ہیں۔ اور انہی کی پیروی میں مسلمانوں کی نجات سمجھتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اہل سیاست کو موجودہ مغضوب وضال قوموں کے مذموم تمدن و تہذیب اور بے آئین نظام سلطنت وحکومت، ظالمانہ طریق حکمرانی و فرمانروائی، گمراہانہ طریق تعلیم و تربیت، فاسد اخلاق و کردار اور قزاقانہ اقتصاد و وحشیانہ طاقت اور مجرمانہ سیاست پر افسوس نہیں، بلکہ اس پر حسرت ہے۔ کہ اس مجرم، گنہگار، عریاں، خوشنما، فاسد الاخلاق قزاق اور وحشی طاقت کے حکمران و فرمانروا اور ظالم نظام اقتصاد اور فاسد اصول قضا و عدالت کے مالک ہم کیوں نہ ہوئے۔ اُن کو یہ افسوس نہیں کہ شیطان کا یہ تخت جبروت کیوں بچھا ہے۔ بلکہ یہ افسوس ہے۔ کہ ہم اس پر کیوں بیٹھے نہیں۔ اُن کو شیطان کے تخت الٹنے کی فکر نہیں، بلکہ اس پر جلوس فرمانے کی فکر مستولی ہے۔

مسلمان مدت سے اس حالت میں ہیں۔ کہ وہ اپنے کو بھول گئے ہیں۔ اور دوسری قوموں کی نقالی میں مصروف ہیں۔ اسلام ایک مستقل نظام حیات، نظام اقتصاد، نظام سیاست، اور نظام اخلاق کا نام ہے۔ خود اپنے نظامات سے روگرداں ہو کر یا ان میں ترمیم و تبدیلی کر کے دنیا کے دوسرے ناقص و فاسد نظامات کو

اختیار کرنے میں اپنی زندگی کی نجات جانتے ہیں۔

ٹرکی، مصر، شام، عراق، افغانستان، شمالی افریقہ، ہندوستان، غرض وہ جہاں کہیں بھی ہیں۔ خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم، یورپ کی نقالی کو اپنی نجات کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ دنیا میں قیصریت اور کسروانیت کے علمبردار اور پیغمبروں کے بجائے ہلاکوؤں اور چنگیزوں کے جانشین بن گئے۔ آج انقلاب کا عہد ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ پھر سے اپنی رفتار سمت اور زندگی کے مقصد کو درست کریں، وہ اللہ کے محکوم، اس کی شریعت کے حامل اور دنیا میں اس کی شہنشاہی کے نمائندہ بنیں۔ ان کو پہلے اللہ کے قانون کو اپنے اوپر اور پھر اس کے بعد دوسروں کے اوپر نافذ کرنا چاہئے۔

مسلمانوں کو ان معنوں میں قوم نہیں کہنا چاہئے جن معنوں میں رنگ اور نسل و نسب اور وطن کے اجزائے ترکیبی سے دنیا میں قومیں بنائی جاتی ہیں۔ بلکہ انسانی جماعتوں کا وہ ایسا مجموعہ ہے۔ جن کے اجزائے ترکیبی خاص خیالات، خاص عقائد، خاص اعمال، خاص اخلاق، خاص تمدن، خاص اصولِ سلطنت و حکمرانی ہیں۔ اس لئے وہ دوسری قوموں کے ساتھ متحد و محکوم ہو کر نہیں بلکہ مصالحانہ و معاہدانہ اصول پر دوست بن کر زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ ورنہ ان کا وجود دوسری قوموں کے ساتھ مخلوط ہو کر پائدار نہ ہوگا۔۔۔۔

(اس لئے مسلمانوں کو) ضرورت ہے، ذہنیت کے بدلنے، خیالات کے پلٹنے اور صحیح فکر کو سامنے رکھنے اور صحیح نصب العین کو اپنے دل میں جگہ دینے کی۔ (تاکہ دنیا میں وہ انبیاء علیہم السلام کے نمائندے اور اسلام کا نمونہ بن کر ظاہر ہوں۔۔۔۔۔۔"

(معارف نمبر ۵ ج ۵۶ ص ۱۰۴ تا ص ۱۰۶)

ایک جگہ ارقام فرماتے ہیں:

زمانہ کے حالات جس تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں۔ خوشی کی بات ہے۔ کہ مسلمان اس سے بے خبر نہیں۔ معالجوں کی رایوں میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ مگر مرض کی شدت اور نفسِ علاج کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں۔ قوم و ملت کے معالجوں کو دو حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جو مسلمان قوم کی سیاسی تنظیم کر کے اس کو برسرِ عروج لانا چاہتے ہیں۔ اور پھر ان کو استخلاف فی الارض کا مستحق ٹھہراتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ضرورت یہ ہے کہ اس پیام کے مبلغ اور رہبر پہلے خود کام کے مسلمان بنیں کہ ع

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

سچ یہ ہے۔ کہ اس سے پہلے کہ ہم دوسروں پر حکومت کریں۔ ہم کو خود اپنے نفس کے اوپر حکومت کرنا چاہیئے۔ حق کے پیام پر غیر متزلزل ایمان، احکام الٰہی پر بے چون وچرا عمل، حق کی راہ میں مجاہدانہ روح وثبات قدم، عزم راسخ، حق کے لئے ایثار اور ذاتی خود غرضیوں کا استیصال ــــ (چاہیئے) کہ دنیا کسی دعوت کو اس وقت تک قبول نہیں کرتی۔ جب تک داعیوں کے جان ومال کا پورا امتحان نہیں لے لیتی اور دعوت کے حرفوں کو داعیوں کے خون کی روشنائی میں نہیں پڑھ لیتی۔ یہ خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے اصول ہیں۔ جو نہ کبھی بدلے ہیں۔ نہ بدلیں گے۔ ایک اور نکتہ بھی بھولنا نہیں چاہیئے ــــ اسلام اور مسلمان ایک نہیں دو چیزیں ہیں۔ مسلمان اب ایک قوم کا نام پڑ گیا ہے۔ جس کے اسلاف پیام اسلام کے حامل اور تعلیم اسلام کے عامل تھے۔ انہوں نے دنیا پر فتح پائی۔ اور اپنی مفتوحہ دولت اپنے اخلاف کے سپرد کر دی۔ زمانہ کے مرور سے یہ اخلاف، یہ بھول گئے۔ کہ یہ انعام ان کے اسلاف کو ان کے خاص اوصاف کے صلہ میں ملا تھا۔ جب تک وہ اوصاف رہے۔ وہ انعام ان کے پاس رہا۔ اور جب وہ جاتے رہے۔ تو ان کا یہ انعام بھی چھن گیا۔ اب اگر اس کے حصول کی پھر تمنا ہے۔ تو پھر انہیں اوصاف کو حاصل کرنا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔ حکم ناطق ہے ــــ نادانی سے ہم لازم کو ملزوم اور ملزوم کو لازم سمجھتے ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں۔ کہ پہلے کسی طرح حقوق حاصل کرنے چاہئیں۔ اس کے ساتھ سلطنت وحکومت کے اوصاف پیدا ہو جائیں گے۔ یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ پہلے اوصاف حاصل کرو۔ پھر اس کے نتیجوں کی امید رکھو۔ اگر ان اوصاف کے بغیر کوئی چیز ہم کو رعایت سے ملی بھی تو وہ ہمارے پاس کبھی رہ نہیں سکتی۔ (معارف شذرات ماہ اپریل ۱۹۴۲ء)

مندرجہ بالا اقتباسات سے حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے سیاسی نظریہ پر روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ حضرت والا قدس سرہٗ عصری سیاست کو خالص اسلامی سیاست نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک عزیز مسترشد کو ارقام فرماتے ہیں :

"موجودہ سیاست میں اہواء واغراض نے دین کا جامہ پہن لیا ہے۔ ڈوب کر دیکھیے۔"
(تذکرۂ سلیمان ص ۵۵۶)

اس لئے اس میں سالکین وعلماء کا انہماک پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ پاکستان کے

ایک مشہور پیر کے متعلق فرمایا :

"پیر ..... صاحب کو اب کس طرح ادھر (خالص دین کی خدمت کی طرف) لایا جائے۔ وہ جو یہ سمجھ بیٹھے ہیں۔ کہ سب کچھ سیاست میں ہے، مذہب کچھ نہیں۔ منہ کو خون لگ گیا ہے۔ چٹخارہ ہے۔ ع

اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

۱۹۴۶ء ـــ ۱۹۴۷ء کے "سیاسی طوفان" میں اپنے سیاسی مسلک کی توضیح فرماتے ہوئے اپنے مسترشد خاص برادر عزیز مولوی غلام محمد صاحب حیدر آبادی مدظلہٗ کو تحریر فرماتے ہیں :

"آپ جس مقام پر ہیں وہ اس مقام سے جہاں عام مسلمان آباد ہیں سراسر مختلف ہے۔

تو اے کبوتر بام حرم چہ مے دانی — طپیدن دل مرغان رشتہ بر پارا

میں نے سیاسیات کے خار زار سے مدت ہوئی کہ اپنا دامن چھڑا لیا۔ اب جو کچھ ہے۔ وہ مسلمانوں کی دینی و علمی و تعلیمی خدمات کی بجا آوری کا شوق ہے۔ ان کے علاوہ دیگر امور سے قطعاً عزلت نشین اور مسلمانوں کی صلاح و فلاح کی دعا دل سے کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ جذبات کے جوش میں بہنے سے کام نہ چلے گا۔

میں ان تمام نزاعات (اختلاف لیگ و کانگرس وغیرہ) سے عملاً کنارہ کش ہوں۔ اور دل میں مسلمانوں کی خیر و فلاح کے خیال کے سوا اور کچھ نہیں رکھتا۔ اور اسی کا داعی ہوں۔ اور اپنے اختیار کی حد تک اس کا ساعی، مجھے سیاسیات کا رہبر نہ سمجھئے ـــ خدا کرے کہ آپ دین کی طرف سے توجہ ہٹا کر موجودہ شورشوں کی طرف اتنی نہ کریں، جو ادھر سے تغافل ہو جائے۔ دین ثابت و قائم چیز ہے۔ اور سیاست متبدل و متغیر۔ ہنگامی چیزوں کو اہمیت نہ دیں۔ اور امور دوامی میں مصروف رہیں۔

انہیں کو ان کی ایک سیاسی تحریر اور پھر اس پر پشیمانی کی اطلاع پر ارقام فرماتے ہیں :

"آپ جس کو گستاخی سمجھے وہ میرے خیال میں سیاسی بحران ہے۔ جس ماحول میں آپ ہیں۔ اس میں اس قسم کے بحرانی جذبات و خیالات کا پیدا ہونا عین مقتضائے طبع ہے۔ اس لئے آپ کے وساوس کا خیال مجھے ذرا بھی نہیں ہوا۔ سمجھتا ہوں کہ آپ کی طبیعت زود اثر ہے۔ کبھی سیاسیات کا جوش طبیعت پر غالب آجاتا ہے۔ موجودہ سیاسیات کا اثر نازک طبائع پر ایسا ہی پڑتا ہے۔ ان تمام ذہنی شورشوں کا علاج یہ ہے۔ کہ

پیش آمدہ امور غیر اختیاری ہیں۔ پھر ہماری فکر اور غم کا حاصل؟ جس امت کی تاریخ میں وفات رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) شہادت فاروق رضؓ وعثمان رضؓ، جنگ جمل، جنگ صفین فتنۂ حجاج، فتنۂ یزید اور شہادت حسین رضؓ جیسے واقعات پیدا ہوئے ہوں۔ اس کے ہاتھ سے موجودہ سیاسیات کا ہیجان صبر کا دامن کیوں چھڑا دے۔ اور اللہ تعالیٰ کا حاکم وحکیم بیک وقت ہونے کے اعتقاد سے کیوں تغافل ہو؟

اس تفصیل کا منشاء یہ ہے۔ کہ ہنگامی جوش وخروش یا سردی ومایوسی سے مومن نہ گرم ہو اور نہ نرم ہو۔ اپنے کام میں یکساں لگا رہے۔

خطرات کے علاج دو ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکیم اور حاکم ہونے کا استحضار اور دوسرے ہنگامی اور دوامی امور میں فرق کا احساس۔

راقم کی ایک ناکامی پر ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا"

اور ایک دوسرے موقع پر ایک صاحب سے میری اس ناکامی کا تذکرہ کر کے فرمایا:

"سیاست کا کچھ تجربہ انہیں ہوا ہے۔ اب سمجھے ہیں۔ کہ یہ کونین کی کڑوی گولی ہے"

اور اسی کے متعلق مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا:

الخیر فیما وقع۔ بہر حال آپ کو سیاسیات کا تھوڑا سا تجربہ ہو گیا، اپنے اس زمانہ کے سیاسی انہماک کی وجہ سے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضری ہوتی تو سیاسی باتیں اکثر چھیڑ دیتا۔ ایک مرتبہ ندامت کے طور پر عرض کیا۔ حضرت آپ کے مجلس کے آداب بجا نہیں لاتا۔ اور سیاسی بکواس شروع کر دیتا ہوں۔ فرمایا۔ کیا حرج ہے۔ انسان وہی اگلتا ہے جو اندر ہوتا ہے۔ اچھا ہے۔ قے ہو جائیگی۔"

خدا کی شان حضرت کے اس ارشاد کے بعد روز بروز سیاسی جھمیلوں سے بیزاری اور عملی سیاست سے کنارہ کشی کا میلان بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ تعلیمی خدمت میں مشغول ہو کر رہ گیا۔ جب حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ تو ارقام فرمایا:

"جماعتی کاموں میں اتنی کثیف گندگی ہے۔ کہ اس کا ازالہ بھی استغفار سے ممکن نہیں"

تاہم حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے آخر وقت تک سیاست کے چھوڑنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ میری آخری حاضری کے ایام میں ایک مرتبہ جب سیاسی خرابیوں کا تذکرہ چھڑا۔ اور ایک

دوسرے صاحب نے راقم سے کہا۔ آپ اس گندی سیاست کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ حضرت والا قدس سرہٗ نے اس موقع پر فرمایا :

"یہ معاملہ ہر ایک کی اپنی قوت و ضعف اور نیت کا ہے"

ایک مرتبہ راقم نے تحریر کیا کہ موجودہ سیاست کے ساتھ چلنا اور انہیں صحیح بنیادوں پر اٹھانا نہایت ہی دشوار کام ہے۔ قدم قدم پر پاؤں ڈگمگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمادیں۔ اس کے جواب میں ارقام فرمایا :

"تو پاک باش مدار از کس باک"

ایک مرتبہ راقم بغیر اپنی کوشش کے ایک اہم سیاسی جماعت کا عہدہ دار بنادیا گیا۔ حضرت والاؒ کو مطلع کیا۔ تو حضرت نے تحریر فرمایا :

"اللہ تعالیٰ اسکی قوت آپ کو عطا کریں۔ جب واقعہ ہو چکا تو مشورہ دینے کا موقع نہیں اللہ تعالیٰ بہتر کریں"

رفقاء کے پیہم دباؤ کی بنا پر عاجز نے سرحد اسمبلی کی ممبری کے لئے کھڑے ہونے کا مشورہ طلب کیا۔ تو نہایت ہی بلیغ جواب تحریر فرمایا :

"یہ معاملہ اپنی قوت و ضعف کا ہے۔ اگر آپ یہ قوت اپنے میں پاتے ہیں۔ یا کم از کم ارادہ رکھتے ہیں۔ کہ مواقع خیر میں خیر کی اعانت کریں گے۔ تو کھڑے ہو جائیں۔ مگر انتخاب کے لئے وہ مکائد و دسائس کام میں نہ لائیں۔ جو اہل دنیا اور طالب جاہ و مال کرتے ہیں۔ پس جاہ و مال کی طلب سے خالی ہو کر کرنے کی طاقت پائیں تو کھڑے ہوں"

ایک مرتبہ چند شامی نوجوان خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور نظام اسلامی اور شریعت کے نفاذ پر بات چیت ہوئی۔ ان کے رخصت ہونے پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فقیر سے فرمایا :

"آج ہر جگہ نوجوانوں میں دینی احیاء اور شریعت کے نافذ کرنے کا جذبہ ہے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ کہ سٹیرنگ دوسروں کے ہاتھ میں ہے۔"

مذکورہ بالا ارشادات سے سیاست کے متعلق حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔ کہ سیاست کو مقصد سمجھ کر اسی میں انہماک کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لیکن اگر سیاست کو دین و خیر کے فروغ کا سبب و ذریعہ سمجھ کر کمال احتیاط سے اپنے کو حب مال و جاہ کی آلائشوں سے بچاتے ہوئے اس میں شرکت کی جائے۔ تو مسلک سلیمانیؒ میں اس کی گنجائش ہے۔

لیکن یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اور حضرت شیخؒ کے ہی الفاظ ہیں "جماعتی کاموں میں اتنی کثیف گندگی ہے کہ اس کا ازالہ ہم ضعفاء سے ممکن نہیں" اس لئے عموماً حضرت الشیخ قدس سرہ کی طالبین کو ہدایات اس طرح کی ملتی ہیں۔ کہ:

"ضرورت اسکی ہے۔ کہ سیاست سے بے پرواہ ہو کر دین کی خدمت میں مصروف ہوا جائے۔ اخلاص کے ساتھ اس (تبلیغی) کام کو جاری رکھیں۔ اور کبھی اس میں اپنے اندر استکبار اور دوسروں کے باب میں استحقار نہ آنے دیں"

"اگر میرے مشورے پر عمل کیا جائے۔ تو عملاً ان (لیگ و کانگرس) میں سے کسی میں شریک نہ ہوں اور اس کیلئے دعا کریں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مسلمانوں کیلئے خیر ہو۔ انتہیٰ الفرقہ کلھا۔"

"خالص دینی تقریر جاری رکھئے۔ سیاسیات سے کامل پرہیز"

"جہاد صرف کانگرس کی ممبری اور اس کیلئے جیل جانے کا نام نہیں۔ بلکہ دین کی بلندی اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے تکالیف جانی و مالی کو گوارا کرے۔ یہاں تک کہ جان بھی اسی راہ میں چلی جاوے۔ گو جان دینے کے بھی شرائط ہیں"

"پہلے تو یہ سمجھیں کہ جہاد اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے سعی وکوشش بالنفس والمال کا نام ہے۔ وہ کسی بادشاہ کی سلطنت کے قیام کیلئے نہیں جس کو آجکل سمجھا جاتا ہے۔ قومی حکومت وسلطنت جس کا تصور آجکل ہے۔ وہ بھی اعلاء کلمۃ اللہ سے دور ہے ۔۔۔ صحیح راہ یہ ہے۔ کہ دل میں جہاد کی تمنا رہنی چاہئے اور وقت پر اسکا ظہور ہو"

غرض حضرت والاؒ طلبہ وعلماء اور سالکین کا سیاست میں الجھنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ کہ حضرت شیخؒ کے نزدیک جو کام ان کے سپرد ہے۔ وہ اتنا ضروری واہم ہے۔ کہ اس کا ترک یا اہمال ملت کے بنیادی تنظام اور تعلیم وتربیت کیلئے نقصان دہ ہے۔ تاہم جیسا کہ گذر چکا۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالےٰ کی وسعتِ بصیرت اور عمقِ نظر نے کلیۃً ان طبقات کیلئے سیاسیات کو "شجرِ ممنوعہ" نہیں قرار دیا۔ بلکہ اس بارہ میں حضرت سید الملتؒ کا یہ جملہ قول فیصل ہے۔ "یہ معاملہ (سیاست میں شرکت یا عدم شرکت) ہر ایک کی اپنی قوت و ضعف اور نیت کا ہے" مراد یہ ہے کہ اگر مواقع خیر میں اعانت، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل اور خدمتِ دین و ملت کی قوت وہمت پاتا ہو۔ تو گنجائش ہے۔ اور اگر یہ ہمت وعزیمت نہ ہو تو عملی سیاست سے کنارہ کشی ہی قرینِ صواب ہے۔ اپنے دائرہ میں خدمتِ دین اور تعمیرِ ملت کے کاموں میں کمی نہ کرے۔ امت کی دینی و ذہنی تعلیم و تربیت کی اہمیت کو جانے اور صدق و اخلاص سے ملت کی صحیح رہنمائی کی کوشش تحریر و تقریر اور دیگر ذرائع سے کرتا رہے۔ کہ ملت کے دل و دماغ کی تربیت وآبیاری سیاست کے خارزار کی آبلہ پیمائی سے کسی طرح کم نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

جناب قاری فیوض الرحمٰن بی۔ اے پشاور یونیورسٹی

حق گوئی وبیباکی کی ایک نادر مثال

بنو امیہ کا دور ہے۔ حجاج بن یوسف فرماں روا ہے۔ سعید بن جبیرؒ ایک مشہور تابعی کی گرفتاری کا حکم دے دیا جاتا ہے۔ شروع شروع میں حجاج کے کارندے سعید بن جبیرؒ کو گرفتار کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ دولت امیہ اپنے دامن گرفت کو اور زیادہ سخت کر دیتی ہے۔ آپؒ بھی اپنی طرف سے کوشش کرتے ہیں۔ کہ اس کے ظالم پنجوں سے کسی طرح بچ سکیں۔ لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوتے۔ والئ مکہ ایک موقع پا کر ان کو گرفتار کرتا اور حجاج بن یوسف کے دربار میں بھجوا دیتا ہے۔ ذیل میں جو واقعہ پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ اسلام کے ان سپوتوں کے ایک سپوت کی حق گوئی وبیباکی اور استقلال وثابت قدمی کا ایک ایسا شاہکار ہے جسے ہماری تاریخ نے انمٹ حروف میں جُوں کا توں محفوظ رکھا ہے۔ تاکہ آنے والی نسلیں اس سے سبق لے سکیں۔ یہ واقعہ ایک ایسی مثال پیش کرتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حق گوئی وبیباکی اُن بزرگوں کے دل ایسے مضبوط کر دیتی ہے۔ کہ وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ مگر پرواہ نہیں کرتے۔ باوجودیکہ وہ جلاد کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ دیکھتے ہیں۔ مگر پرواہ نہیں کرتے۔ لاریب! وہ جانتے ہیں کہ اس دربار میں حق گوئی کا مظاہرہ کرنے والوں کی ضیافت دھانی اُن سونتی ہوئی تلواروں سے کی جاتی ہے۔ جو جلادوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اور بلاشبہ وہ یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ حق پرستوں کو حق پرستی سے باز رکھنے کی یہ ایک سازش ہے۔ مگر یہ سازش ان کے بے مثال جذبۂ حق کے سامنے بالآخر سرنگوں ہو جاتی ہے ۔۔۔ کیوں؟ ۔۔۔ اس لئے کہ ان حضرات کے نزدیک، ظالم بادشاہ کے سامنے حق کا اعلان کرنا بہترین جہاد کہلاتا ہے۔ وہ دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ کے سامنے بھی حق گوئی وبیباکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے ؎

آئین جوانمرداں حق گوئی وبیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اچانک حجاج بن یوسف، سعید بن جبیرؓ کو اپنے دیکھتا اور اُن سے مخاطب ہوتا ہے۔
حجاج ــــ کون ہو؟ آپؓ فرماتے ہیں۔ "سعید بن جبیرؓ" حجاج انتہائی غصہ میں آجاتا ہے۔
جسکی وجہ سے اس کو اُن کے نام کے اچھے الفاظ بھی تلخ معلوم ہوتے ہیں۔ اور جوشِ غضب میں
کہنے لگتا ہے۔ "اَنْتَ شقیّ بن کسیر" آپؓ فرماتے ہیں: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر
جانتی تھیں۔" حجاج اور بگڑ جاتا ہے۔ اور کہتا ہے: تمہاری والدہ بھی بجنت اور تم بھی" سعید کہتے
ہیں: "غیب کی جاننے والی ذات تیرے سوا کوئی اور ہے؟
حجاج ــــ (جل کر) دیکھو تو میں تم کو دنیا کے بدلے میں کیسی لپٹیں مارتی ہوئی آگ دیتا ہوں۔
حجاج ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔؟
سعید ــــ آپؐ امام ھدیٰ اور نبیٔ رحمت تھے۔
حجاج ــــ خلفاء کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔؟
سعید ــــ (لَسْتُ علیھم بوکیل) میں ان کا قاضی نہیں۔
حجاج ــــ ان میں کون افضل تھا۔؟
سعید ــــ جو میرے مالک کی مرضی کا سب سے زیادہ پابند تھا۔
حجاج ــــ کون سب سے زیادہ رضا جو تھا۔؟
سعید ــــ اس کا صحیح علم اُس ذات کو ہو سکتا ہے جو ان کے ظاہر و باطن سے پوری طرح
باخبر ہو۔
غرض اس قسم کے سوالات وجوابات جاری رہتے ہیں ــــ حضرت سعیدؒ اسے کوئی موقعہ
گرفت نہیں دیتے۔ بلکہ اپنے صاف اور جچے تُلے الفاظ سے اسکی برہمی میں اور زیادتی کر دیتے
ہیں۔ آخر حجاج کھسیانا ہو کر اپنے آپ سے کہنے لگتا ہے۔ اے سعید! تم ہی بتاؤ تمہیں کس طرح
قتل کروں۔؟
سعید ــــ یہ تو آپ کی پسند ہے۔ آپ جیسے مجھے قتل کریں گے، خدا ایسا ہی تمہیں قتل
کرے گا۔
حجاج ــــ کیا میں معاف کر دوں۔؟
سعید ــــ عفو و درگذر ہو تو اللہ کی طرف سے تم بھلا کسی کو کیا معاف کرو گے۔
اس جواب پر بحث ختم ہوتی ہے۔ اور حجاج کا حکم صادر ہوتا ہے۔ اور سعید جلاد کے ہمراہ

باہر لائے جاتے ہیں، حجاج کا پورا رعب و دبدبہ اللہ کے اس سعید بندے پر کسی طرح بھی موثر ثابت نہیں ہوتا۔ آپؒ باہر آکر ہنسنے لگتے ہیں۔ حجاج کو اسکی خبر ملتی ہے۔ وہ آپ کو واپس بلاتا اور وجہ دریافت کرتا ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں۔ عجبت من جرأتك على الله وحلم الله عليك۔ مجھے خدا کے مقابلہ میں تیری اس جرأت و دلیری اور تیری نسبت اللہ کے حلم پر تعجب ہوا۔

حجاج اس گرم فقرے کو سن کر آپے سے باہر ہونے لگتا ہے۔ اور جلادوں کو آرڈر دیتا ہے۔ کہ میرے سامنے اس کی گردن اتار دو۔

اب جبیر کے بیٹے سعید شہادت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور اپنا رخ قبلہ کی طرف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وجهت وجهي للذي فطر السموات والارض حنيفاً وما انا من المشركين۔

حجاج ــــ ان کا منہ قبلہ سے پھیر دو۔

سعید ــــ فاینما تولوا فثم وجه الله۔ جدھر تم پھیرو گے اللہ اسی طرف ہے۔

حجاج ــــ اوندھا ڈال دو۔

سعید ــــ منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة أخرىٰ۔ ہم نے اسی زمین سے تمہیں پیدا کیا۔ اسی میں لوٹائیں گے۔ اور اسی سے ایک دفعہ پھر تم کو نکالیں گے۔

حجاج آپکی سیف زبانی سے تنگ آکر جلاد کو جلدی کا حکم دیتا ہے۔

سعید کلمہ شہادت پڑھتے اور حجاج کو گواہ بناتے ہوئے فرماتے ہیں: سن لے! یہاں میری جان تو لے لے، میدان حشر میں میں تجھ سے لے لوں گا۔" آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ جلاد کا ہاتھ اٹھتا ہے۔ آپ کا سر تن سے جدا ہو جاتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ؔ بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپ کے جسم سے اس قدر خون نکلتا ہے۔ کہ حجاج حیرت میں آکر اپنے طبیب کو تفتیش کا حکم دے دیتا ہے۔ طبیبِ خاص کی رپورٹ تیار ہو جاتی ہے۔ اور یوں عرض کرتا ہے۔ حضور! اور مقتولوں کا ڈر کے مارے آدھا خون خشک ہو جاتا تھا۔ برعکس سعید بن جبیرؒ کے کہ ان کا دل پوری طرح مطمئن تھا، انکی طبیعت بالکل آسودہ تھی، اضطراب و بےچینی کا اس طرف گذر بھی نہیں ہوا۔ اس لئے خون اپنی اصلی مقدار پر قائم رہا۔ یہ واقعہ شعبان ۹۵ھ کا ہے۔ اور رمضان کے بعد اسی سال حجاج بھی اس دنیا سے روپوش ہو جاتا ہے ■■

حادثاتے کہ دریں دور قمر می بینم — عالمے را ہمہ سرگشتہ و ششدر می بینم

انقلابے کہ دریں عصر پدید آمدہ است — خوب چوں می نگرم زیر و زبر می بینم

بعد از تجربہ گویم نہ کہ از وہم و گمان — در سفر می نگرم ہم بہ حضر می بینم

امن جویانِ زماں قاتلِ نوعِ انسان — ہمہ اطرافِ جہاں پر ز خطر می بینم

ستمِ دہر مسلح شدہ از راکٹ و بم — ہمہ آفاق پر از برق و شرر می بینم

درِ آفات کشادہ ز سما تا بزمین — در فضا آفت و در خشکی و تری می بینم

پاسبانانِ جہاں رہزنِ امن اند و امان — حالِ این گیتیِ فرسودہ بتر می بینم

قحط و سیلاب و زلازل ہمہ آفاتِ زمان — روز و شب می شنوم شام و سحر می بینم

چشم گریان دل بریان ز مصائب کہ شدہ است — ہائے ہائے می شنوم دیدۂ تر می بینم

در بغل ناول و افسانہ و در دست اخبار — وقتِ مہجوریِ قرآن و خبر می بینم

عالمے رو بہ سینما و کلب ہا دارد — حالتِ مسجد و محراب بتر می بینم

دیو شد جلوہ نما حسنِ پری نامرغوب — انتخابی است کہ از عقل بدر می بینم

نیک را زشت شمارند و بدی را محبوب — این چہ فکری است کہ در نوعِ بشر می بینم

حیف معروف شدہ منکر و منکر معروف — ہر ہنر عیب شدہ عیب ہنر می بینم

کفر و الحاد فزوں گشتہ بہر جا و مکان — قتل و اغوا کہ بہر شام و سحر می بینم

فکرِ فردائے قیامت شدہ از سر بیروں — ہر یکے از کہ و مہ طالبِ زر می بینم

فعلِ ہمدردی و احسان و مروت شدہ گم — صنعِ تخریب و مضرت ز ہنر می بینم

لطف و انعامِ بہشت این ہمہ از دستِ بہشت — ردیٔ این پیرِ مغان سوی تدی می بینم

زعمِ ہر بوالہوسے نیست چو من ہیچ کسے — کینہ در سینہ او کبر بسر می بینم

لافِ یاری چہ زند سینہ او پر ز نفاق — یاریِ بد گہراں باعثِ شر می بینم

دشمنی بین کہ مسلماں بہ مسلماں دارد — کافراں را ہمہ چوں شیر و شکر می بینم

ہر یکے با دگرے دست و گریباں و جدال — آشنایاں ہمہ از گرگ بتر می بینم

اقربا ہمچو عقارب ز پے نیش زدن — فتنہا بہر زمین و زن و زر می بینم

ہیچ الفت نہ برادر بہ برادر دارد — پسراں را ہمہ اعداءِ پدر می بینم

شوہر از دستِ زناں سینہ کباب اند بجاں — ہم زن از شوہرِ خود خونِ جگر می بینم

دل شکن از چہ سبب گشتہ ام اے ہم نفساں — بے آزادیِ دل یک بد گہر می بینم

گوش کر ساختہ ام مہر بہ لبہا زدہ ام — لیک منزلیست کہ از نورِ بصر می بینم

بین کہ بنیادِ سیاست بدروغ است و فریب — مکر و تزویر و دغل پُر ز اثر می بینم

ہر کہ از راہ رواں راہ بمنزل ببرد — اوست گو را چو شہاں تاج بسر می بینم

آنکہ در نقش پے ختمِ رسل گام نزد — کوردل بد باطن و بے نورِ بصر می بینم

آنکہ از جادۂ حق دور شد افتاد بچاہ — آخر الامر ورا خاک بسر می بینم

یارب این راہ رواں را بسلامت برساں — رہزناں را ہمہ در دستِ تبر می بینم

گوی ایمان بسلامت چو بری سربازی — پس ہمیں کار تو از فتح و ظفر می بینم

حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی مدظلہ، خان پور

یہ الحق نام بھی عجیب سا ہے۔ جب آپ نے الحق نام رکھا ہے۔ تو اب تو پھنس گئے کہ کسی حال میں حق کو نہ چھوڑیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے لکھنے والوں اور اس کے پڑھنے والوں کو حق کہنے، حق پر چلنے اور حق پر رہنے کی توفیق دے۔ (دارالحدیث میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا)۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر صدقِ جدید لکھنؤ

ہندوستان و پاکستان ملا کر رسالوں کی وہ بھرمار رہتی ہے۔ کہ دل اکتا گیا ہے۔ صرف چند ایسے ہیں جنہیں خوشی سے کھولتا، پڑھتا ہوں۔ پسند آنے پر شتم پشتم ایک نظر ڈال لیتا ہوں۔ پھر بھی کئی ایسے ہیں جو بے کھلے ہی رہ جاتے ہیں۔ اور ہر نئے پرچے سے بدگمانی ہی رہتی ہے ۔۔ الحق محض تجربہ کے لئے کھولنا پڑا تو دل لگ گیا۔ ماشاء اللہ مولانا شمس الحق کا مضمون خوب ہے۔ بارک اللہ اور بھی دو ایک مضمون اچھے ہیں۔ لکھنؤ دفتر کو تبادلہ کیلئے لکھ رہا ہوں۔ صدق انشاء اللہ اس ہفتہ سے پہنچا کرے گا۔ میرا ذاتی پتہ دریا بادی کا ہے۔ الخ (ایک مکتوب سے اقتباس ۔ مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۶۶ء)

حضرت مولانا عبید اللہ انور امیر انجمن خدام الدین لاہور

جس طرح دارالعلوم حقانیہ پاکستان میں ہمارے لئے دارالعلوم دیوبند کی طرح قبلۂ علم ہے۔ اسی طرح بحمد اللہ اب ماہنامہ الحق ہندوستان کے معارف اور برہان کی کمی کو پورا کردے گا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ الحق عظمتِ اسلام کا علمبردار اور قرآن و سنت کی اشاعت اور دعوت کا بہترین ذریعہ ثابت ہو ۔۔۔۔ (دارالحدیث میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا ۔۔۔ ۷ مئی ۱۹۶۶ء بروز ہفتہ)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدیر الفرقان۔ لکھنؤ

آپ کے تین شمارے ملے ہیں۔ افسوس کہ ان حالات کے باعث باقاعدہ تو پڑھ نہ سکا۔ مگر ایک سرسری نظر میں مجھے جو کچھ نظر آیا وہ قابلِ مبارکباد ہے۔ آپ نے تو اس راہ کے تجربہ کاروں کو بھی مات کر دیا ہے ۔۔

اندازِ ترتیب اور گیٹ اَپ، سبحان اللہ۔ دینی رسالوں میں تو ایسا شاندار کوئی دوسرا دیکھا نہیں۔ اللہ کرے آپ اسے قائم رکھنے میں کامیاب رہیں۔ (ایک مکتوب سے اقتباس)

مولانا کوثر نیازی ہفت روزہ شہاب لاہور

دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان کی مشہور و معروف دینی درس گاہ ہے۔ اور تقریباً اٹھارہ سال سے تشنگانِ علم و معرفت اس سرچشمۂ انوار سے اپنی روحانی پیاس بجھا رہے ہیں۔ دار العلوم کے مہتمم صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق مدظلہ اس وقت خدا کے فضل و کرم سے ہمارے گنتی کے چند اکابر علماء میں سے ایک ہیں۔ اور اپنے علم و فضل خلوص و للّٰہیت کے اعتبار سے اہل دین انہیں مغتنماتِ زمانہ میں شمار کرتے ہیں۔ "ماہنامہ الحق" اس دار العلوم سے انہی عالم ربانی کی سرپرستی میں نکلا ہے۔ اور حق یہ ہے۔ کہ بڑی آن بان سے نکلا ہے۔ اہلِ مذہب کے بارے میں عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے۔ کہ یہ لوگ نفاست اور ذوقِ جمال سے عاری اور جدید طباعت کے حسن کے قدردان نہیں ہوتے۔ خوشی ہے کہ الحق نے اس مفروضہ کی اپنے عمل سے تردید کر دی ہے جس میں اکابر سلف کے نوادرات کی جھلکیاں اور جدید مسائل پر دورِ حاضر کے متبحر علماء کے تبرکات بھی شامل ہیں۔ اور دوسری طرف ظاہری دلآویزی ہے۔ جو سفید کاغذ اور طباعت کے اعلیٰ معیار سے عبارت ہے۔ اب تک اس نوزائیدہ جریدہ کے پانچ سات شمارے ہماری نظر سے گذرے ہیں جن میں علمی و دینی نقطۂ نظر سے نہایت بیش قیمت موادِ مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ ہم حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی خدمت میں "الحق" کے اجراء پر ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ اور قارئین سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ نہایت گرمجوشی سے اس جریدہ کا استقبال کریں۔ (یکم مئی ۱۹۶۶ء)

پروفیسر محمد سرور ماہنامہ الرحیم حیدرآباد

الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی ترجمان ہے۔ جو اکوڑہ خٹک (ضلع پشاور) سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دار العلوم حقانیہ کی زیر سرپرستی شائع ہوتا ہے۔ اسوقت ماہنامہ الحق کی جلد نمبرا کا چھٹا اور پانچواں شمارہ ہمارے پیشِ نظر ہے۔ الحق کی سب سے پہلی چیز جو قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ وہ اسکی اچھی کتابت و طباعت اور اسکا بڑی خوش سلیقگی سے مرتب کرنا ہے۔ اس کے بعد اسکی دوسری دل کو کھینچنے والی چیز اسکے مندرجات ہیں۔ اور اس سلسلے میں خاص بات یہ ہے۔ کہ مضامین بلند پایہ علمی معیار کے علاوہ انکی زبان ان کا اسلوب بیان بڑا شستہ اور منجھا ہوا ہے۔ نیز شذرات میں وقتی مسائل پر بڑی سنجیدگی سے اظہارِ خیال کیا جاتا ہے۔ بیشک قرار داد تاشقند پر ہمارے تمام دینی رسائل نے تبصرہ کیا ہے۔ لیکن الحق نے اس پر جسطرح رائے زنی کی ہے ہمارے نزدیک اس میں دوسرے تمام رسائل سے کہیں زیادہ صحیح اسلامی روح کی ترجمانی کی گئی ہے۔ ہم اکوڑہ خٹک سے شائع ہونے والے اس رسالے کا خلوصِ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے۔ یہ رسالہ تمام دینی و علمی حلقوں میں مقبول ہوگا۔ اور قدر کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ (مارچ ۱۹۶۶ء)

الحق کے مطالعہ کا موقعہ ملا۔ اور نہایت محظوظ ہُوا۔ کیونکہ تمام مضامین نہایت دلچسپ اور معلومات افزا ثابت ہوئے خصوصاً "اسلام اور عہدِ حاضرہ کے سائنسی کارنامے" مجھے نہایت مفید اور عہد حاضر کے تقاضوں اور اس سے پیدا شدہ تخیلات کے عین مطابق محسوس ہُوا ــــــ میرے خیال میں یہ بات باعث ہزار تبریک و تحسین ہے۔ کہ ہمارے دینی مراکز اور علماء ہمیں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ زمانۂ حال کے مفید عقلی و علمی ماحول سے روشناس ہونے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ تاکہ دنیا و آخرت دونوں میں سرفراز اور بہرہ مند ہو جائیں ــــــ اب میں آپ کو اپنی ایک ذاتی الجھن عرض کرتا ہوں۔ میرے خیال میں آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ مجموعی طور پر بالکل ٹھیک ہے انسان جتنا بھی کوشش کرتا ہے اور صحیح عقل و فکر سے کام لیتا رہے تو اس پر از حکمت کائنات میں وہ اپنے لئے بے شمار فوائد اور اسرار تلاش کر سکتا ہے۔ اور کائنات کے اس پیچیدہ اور پر اسرار نظام سے نقاب کشائی کر کے خالقِ کائنات کے باعلم و باحکمت ہونے کا اندازہ لگا کر یقین محکم کے ساتھ اس پر ایمان لا سکتا ہے ــــــ لیکن میرے ناقص خیال میں آپ نے اعتدال سے ہٹ کر ذرا مبالغے سے کام لیا۔ جبکہ آپ نے تحریر فرمایا کہ "ممکن ہے کہ تم زمین کے علاوہ زہرہ و مہتاب اور نظامِ شمسی کے دیگر سیاروں کو بھی اپنا مسکن اور جولانگاہ بنا دو" الخ کیونکہ انسان اس کائنات کی وسعتوں میں گھوم پھر کر ہر سیارے تک تو جا سکے گا۔ اور حیاتِ ارض کے لئے کوئی نہ کوئی مفید معلومات فراہم کر سکے گا۔ لیکن وہ زمین (الارض) کے علاوہ کسی اور جگہ کو مسکن اور جائے معاش نہیں بنا سکتا۔ جیسا کہ عصرِ حاضر کے سائنسدانوں کا خیال ہے۔ کہ کرۂ ارض کے سوا مریخ وغیرہ کو مسکن بنا کر زندگی کے شب و روز وہاں گذارے جائیں۔ اور یہ بات کہ انسان اس زمین سے پیدا ہُوا۔ اور اس زمین ہی میں اسے بسنا ہوگا۔ اور انسان کی مادی زندگی کا تعلق اسی کرۂ ارض سے ہے۔ قرآنِ حکیم کے بہت مقامات سے بداہتہً ظاہر ہو رہا ہے۔ مثلاً آپ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیے :

(۱) الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناءً ۔ الخ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲) (۲) واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ ط قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ۔ الخ (۳) ولکم

فی الارض مستقر ومتاع الی حین (آیت ۳۶) (۴)۔ وبث فیہما من کل دابۃ (آیت ۱۶۴)

(۵) ولقد مکنکم فی الارض وجعلنا لکم فیہا معایش۔ الخ (الاعراف آیت ۱۰)

یہ میری ذاتی ذہنی خلش ہے۔ مہربانی کر کے آپ مجھے صرف اتنا تحریر فرمادیں کہ انسان اگر کوشش کرے تو وہ زمین کے علاوہ کسی اور جگہ کو اپنی اس مادی زندگی گذارنے کے لئے مسکن وجولانگاہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے یا نہیں ——؟ یہاں ایک صاحب فرماتے ہیں کہ آنجناب کا مطلب مادی وسائل سے ہے۔ اور مادی جسم کے لئے مسکن مراد نہیں ہے۔ بلکہ روحانی مسکن مراد ہے۔ یا للعجب نیز وہ صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کا مطلب اہل روس وامریکہ کی تبکیت ہے۔ نہ یہ کہ آپ خود مُقر ہیں۔ دیگر وہ صاحب میجر گگارین کے خلائی سفر وغیرہ سے منکر ہے جو کہ بالکل یقینی اور غیر مشکوک طور پہ اہل دنیا پر منکشف ہو چکا ہے۔ چونکہ آپ کا فیصلہ ہمیں تسلیم ہے۔ لہٰذا آپ واضح الفاظ میں ہماری اس الجھن کو رفع کرنے کی زحمت گوارا فرمادیں۔

آپ نے الحق کے مضامین اور اداریہ کے بارہ میں جس حسن ظن کا اظہار فرمایا ہے۔ اس کا ممنون ہوں۔ دعا فرمائیے کہ واقعی معنوں میں الحق موجودہ حالات اور تقاضوں کے مطابق کماحقہٗ خدمت دین کر سکے۔ الحق کے اداریئے کا مقصد صرف یہی تھا کہ اسلام اور قرآن کا مقصد طبیعیاتی علوم کی تحقیق تائید یا تردید اور مخالفت کرنا نہیں اس کا تعلق ایمان اور آخرت سے ہے۔ اور اگر انسان مدارج ترقی طے کرتے ہوئے مادیات میں چاند تک بھی پہنچ جائے تو اسلام کے کسی پہلو پر اسکی زد نہیں پڑتی نہ اس میں چاند کے مسکن بنا سکنے کی تائید کی گئی ہے۔ نہ مخالفت اور نہ قرآن نے اس بارہ میں کسی خاص پہلو (نفی یا اثبات) پر روشنی ڈالی ہے۔ چونکہ طبعی اور خلقی لحاظ سے انسانی سرشت زمین سے ہے اور طبعاً خدا نے اس کا معاش ومسکن زمین ہی کو بنایا اس لئے قرآن میں امتنان وانعام کے مقامات میں زمین کا ذکر کیا گیا۔ اگر کل غیر طبعی اور سائنسی ذرائع سے انسان چاند میں بھی بالفرض سکونت اختیار کرے تو اس سے ان آیات کی مخالفت نہیں آئے گی جو آپ نے لکھی ہیں۔ واقعۃً تو انسان کا مسکن زمین ہی ہے بعوارض الگ بات ہیں۔ اگر خواہ مخواہ یہ مفروضہ ان آیات سے نکالا جائے کہ صرف زمین مسکن ہے اور چاند کا مسکن بننا محال ہے۔ تو شاید کل واقعات ہمارے اس مفروضہ کو غلط ثابت کرا دیں۔ تو بلاوجہ اسکی نسبت ان آیات کو بھی ہوگی۔ رہا یہ معاملہ کہ چاند مسکن بن سکے گا تو فی الحال بظاہر اسکے کچھ آثار نہیں ہیں تسخیر کائنات کو اگر رب کی پہچان اور خالق کائنات کی عظمت کے ادراک کا ذریعہ بنایا جائے جو اہل غرب وسائنس کے ہاں معدوم ہے تو یہ کوششیں مفید ہیں ورنہ لامحالہ اور تباہی وبربادی کائنات کا پیش خیمہ ہیں۔ جو اندرونی عزائم ان لوگوں کے دلوں میں ان کوششوں کے بارہ میں موجود ہیں۔ بظاہر وہ یہی جنگی ترقیاں اور ایک دوسرے کی تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ امید ہے ان چند الفاظ سے آپ کی تشفی ہو جائے گی۔ ان اشیاء کو خواہ مخواہ مذہب سے ملانا پھر باہمی بحثیں اور مناظرے بے جا ہیں۔ جو لوگ ان سائنسی کارناموں کا سرے سے انکار ہی کر رہے ہیں۔ وہ ان کی سادہ لوحی یا بے علمی ہے۔

والسلام۔

(ادارۃ الحق)

واردین وصادرین ــــــ ۰ / مئی ۱۹۶۶ء کو کئی حضرات علماء اور اکابر دین دار العلوم تشریف لائے۔ ان کی آمد کی وجہ سے دار العلوم میں علم وعرفان کی بارش رہی ــــــ انجمن خدام الدین نوشہرہ کے تبلیغی جلسہ میں شرکت کے دوران حضرت حافظ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب درخواستی، جانشین شیخ التفسیرؒ مولانا عبید اللہ انور مدظلہٗ امیر انجمن خدام الدین لاہور، مناظر بے بدل حضرت مولانا لال حسین اخترؔ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلم اور دیگر کئی حضرات نے دار العلوم میں قدم رنجہ فرمایا۔ دار العلوم سے باہر طلبہ و اساتذۂ دار العلوم نے بڑی گرمجوشی سے معزز مہمانوں کا استقبال کیا۔ دار الحدیث میں طلبہ و اساتذہ کے اجتماع میں صبح آٹھ بجے جناب قاری فیوض الرحمٰن صاحب بی۔ اے کی تلاوت سے اجلاس کا افتتاح ہوا۔ حضرت مولانا لال حسین اخترؔ نے ایک گھنٹہ تک حجیت حدیث، فتنۂ مرزائیت، اور ختم نبوت کے موضوع پر عالمانہ خطاب فرمایا۔ انکے بعد امیر جمعیۃ العلماء اسلام پاکستان حضرت مولانا درخواستی مدظلہٗ نے اپنے مخصوص انداز اور پرسوز لہجہ میں ڈھائی گھنٹہ تک علم و معرفت سے بھرپور خطاب فرمایا اور عہد حاضر کے دینی فتنوں کی نشاندہی کرتے ہوئے علماء کی ذمہ داریوں پر توجہ دلائی۔ خطاب کے دوران انہوں نے بار بار دار العلوم حقانیہ سے اپنی محبت اور قلبی تعلقات اور اس ضمن میں اکابر کا دار العلوم سے روابط کا ذکر کیا۔ اور فرمایا کہ دار العلوم کے ساتھ ہمارا جو خصوصی تعلق ہے اسکی تشریح کے لیے وقت درکار ہے۔ اور جس کے اسباب بہت گہرے ہیں۔ حضرت درخواستی مدظلہٗ کی درد میں ڈوبی ہوئی تقریر کے بعد حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور مدظلہٗ کی تقریر ہوئی، انہوں نے بھی دار العلوم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اسکی کامیابی اور مزید ترقیات کیلئے دعائیں کیں۔ اور طلباء اور اہل علم کو کافی دیر تک اپنے ارشادات سے محظوظ فرمایا۔ آخر میں حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ جہلم نے علماء حق کی ذمہ داریوں پر سیر حاصل تقریر کی۔ حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہٗ کے ساتھ دیگر حضرات کے علاوہ جناب ڈاکٹر مناظر حسین نظر ایڈیٹر ہفت روزہ خدام الدین، جناب عثمان غنی صاحب بی۔ اے واہ کینٹ، جناب محمد فاضل صاحب فاضل برادرز لاہور، اور کئی حضرات تشریف لائے۔ ان حضرات نے دار العلوم کے تمام شعبوں جامع مسجد جدید تعمیرات کے علاوہ دار العلوم کے شعبۂ تعلیم القرآن (لوئر مڈل سکول) کا معائنہ بھی فرمایا اور بچوں کی دینی تعلیم سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔ حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہٗ نے اپنے والدین مرحومین کے ایصالِ ثواب کی خاطر دار الاقامۃ کے دو کمروں کے اخراجات ادا فرمانے کا وعدہ بھی کیا۔ اور اس سلسلہ کی پہلی قسط دار العلوم کو پیش فرمائی۔

حضرت مہتمم صاحب کے مشاغل ــــــ ۲۰ / اپریل بروز منگل حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ مولانا فضل قدوس صاحب مدرسہ جامع تنگی اور دیگر فضلاء و متعلقین دار العلوم کی دعوت پر تنگی (تحصیل چارسدہ) تشریف لے گئے نماز عصر کے بعد مسجد دولت خیل میں علماء علاقہ اور حاضرین کے ایک بہت بڑے مجمع میں آپ نے

باقی صفحہ ۱۴ پر

تبصرہ کتب
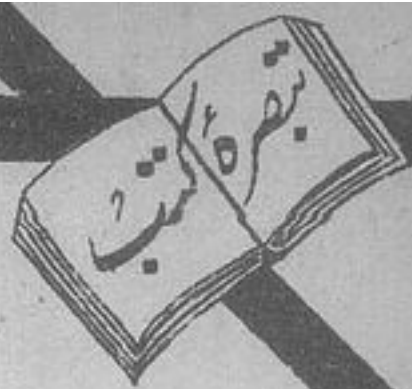
فرمودات امیر شریعتؒ

مرتب :- مولانا حکیم مختار احمد الحسینی
صفحات ۱۲۶ - کتابت وطباعت عمدہ
قیمت دو روپے - ملنے کا پتہ : مکتبۂ تعمیر حیات دفتر جمعیۃ العلماء اسلام چوک رنگ محل لاہور

محترم حکیم مختار احمد الحسینی قابل صد ستائش ہیں۔ کہ انہوں نے خطیب اسلام بطل حریت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے زریں فرمودات، پر اثر ملفوظات کو مرتب کر کے شائع کیا۔ حضرت امیر شریعتؒ کی ممتاز شخصیت سے پاک وہند کے تمام مسلمان بخوبی واقف ہیں۔ مذہب اسلام، تحفظ ختم نبوت۔ آزادیٔ وطن میں ان کی نمایاں قربانیاں حق گوئی وبیباکی۔ بے لوث اور مؤثر خطابت۔ دلوں میں اتر جانیوالی تقریریں کبھی بھی صفحۂ قلوب سے نہیں مٹ سکتیں۔ اگر آپ حضرت شاہ جی کے دلچسپ اور شیریں لطائف سے لطف اندوز ہونا چاہیں اور ان کے فصیح وبلیغ جملوں اور بابرکت ملفوظات کے پڑھنے سے مردہ دلوں کو شگفتہ کرنا چاہیں تو "فرمودات امیر شریعت" کا مطالعہ فرمادیں جسکو مرتب نے پوری جانفشانی سے مرتب کر کے عام مسلمانوں پر عموماً اور حلقۂ بخاری پر خصوصاً احسان کیا ہے۔ مرتب موصوف سے توقع ہے کہ وہ جلد از جلد فرمودات امیر شریعت کا دوسرا حصہ بھی زیور طبع سے آراستہ کر کے شائع فرمادیں گے۔ موجودہ حصہ میں کتابت کی بعض غلطیاں رہ گئی ہیں۔ امید ہے آئندہ اسکی تلافی کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ کتاب کے آغاز میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی کا پر مغز ابتدائیہ بھی ہے۔

اطیب الکلام

مرتبہ : مولانا محمد عبدالمتین صاحب زاہد۔ صفحات ۱۰۰ کاغذ عمدہ۔ کتابت وطباعت دیدہ زیب۔ قیمت ایک روپیہ ملنے کا پتہ : ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

یہ جامع اور مدلل کتاب درحقیقت احسن الکلام فی عدم وجوب قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام کی تلخیص ہے جسکو حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر نے امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کے مسئلہ پر قرآن وسنت آثار صحابۂ کرام وتابعین اور ائمہ دین کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ امام کی اقتداء میں مقتدی کو قراءت کی اجازت نہیں ہے۔ فقہی اور فروعی مسائل میں مسئلہ قراءت خلف الامام ابتداء سے ایک معرکۃ الآراء مسئلہ چلا آرہا ہے۔ احسن الکلام کے فاضل مصنف نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے موقف کو مدلل انداز میں پیش فرمایا ہے۔ اور مصنف کی دیگر مشہور تصانیف کیطرح یہ کتاب بھی ملک کے گوشہ گوشہ میں مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ حافظ مولانا محمد عبدالمتین صاحب زاہد نے طلبہ اور عوام کے سمجھنے کے لئے اس ضخیم کتاب کے ضروری مضامین کو مختصر مگر جامع انداز میں مرتب کر کے "اطیب الکلام" کی شکل میں شائع کیا ہے۔ گویا اطیب الکلام احسن الکلام کا لب لباب ہے۔ اور احسن الکلام کے وسیع مضامین کو پوری عرقریزی کے ساتھ اطیب الکلام میں بھر دیا ہے۔ عبارت نہایت آسان ہے جس سے معمولی لکھا پڑھا آدمی بھی بخوبی استفادہ کر سکتا ہے۔

(سید شبیر علی شاہ مدرس دارالعلوم حقانیہ)